57

دیوان مومن

مومن

1/-

چند لفظوں میں

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرتِ مومن اُردو غزل گوئی کے شہنشاہ تھے انھوں نے فنِ غزل گوئی میں ایک نئی روح پھونکی ہے اسے ایک نیا انداز بخشا ہے۔

حضرتِ مومن کے کلام میں سوز وگداز روانی، سلاست کی فراوانی ہے ان کے کلام پر زبانِ اُردو کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

ناشران

مشورہ بک ڈپو

رام نگر، گاندھی نگر، پوسٹ بکس نمبر ۱۶۳۹ دہلی ۶

قیمت فی کتاب صرف ایک روپیہ

مطبوعہ سودیشی پریس دہلی

حکیم مومن خان مومن

دیوانِ مومن

ناشران

مشورہ بک ڈپو

رام نگر - گاندھی نگر - پوسٹ بکس ۱۶۳۹ دہلی ۶

حکیم مومن

حکیم مومن خاں مومن ہندوستان کے ان شعرا میں سے ہیں جن پر ملک کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ میر تقی میر کے بعد اگر کوئی شاعر فن کی بلندیوں تک پہنچا ہے تو وہ صرف اور صرف مومن ہیں۔ ۱۲۱۵ھ میں حکیم غلام نبی خاں کے گھر میں وہ آفتاب طلوع ہوا جس نے اپنے زمانے کے تمام شعرا کو تحت الشعاع رکھا اور اس آفتاب شاعری کا نام تھا مومن خاں۔

مومن کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہی ہوئی اور پھر درسگاہوں سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے طب کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے دوران ہی مومن اپنی خداداد ذہانت اور طبع موزوں کو بروئے کار لائے اور شعر گوئی کی طرف راغب ہو گئے۔ ابتدا میں چند غزلیں شاہ نصیر کو برائے اصلاح دکھائیں۔ لیکن یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ مومن جدت پسند تھے اور شاہ نصیر پرانی ڈگر کے مسافر!

مومن کو فن شاعری کے علاوہ نجوم، ریاضی اور علم الرمل پر بھی عبور حاصل تھا۔ جبتک دنیا باقی ہے۔ زبان و ادب زندہ ہے اردو شاعری زندہ ہے مومن کا کلام بھی زندہ رہے گا۔ اور اردو داں طبقہ ہرگز اس آفتاب شاعر کو نہ بھول سکے گا۔

تمکین کاظمی

ردیف الالف

نہ کیوں کر مطلعِ دیواں ہو مطلع مہرِ وحدت کا — کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرعِ انگشتِ شہادت کا
سرِ شکِ اعترافِ عجز نے الماس ریزی کی — جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

نہ یہ دستِ جنوں ہے اور نہ وہ جیبِ جنوں کیشاں — کہ ہو دستِ مژہ سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا
نہ دے تیغِ زباں کیونکر شکستِ رنگ کے طعنے — کہ صفہائے خرد پر حملہ ہے فوجِ خجالت کا
غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے — نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا
گلوئے خامہ میں سرمہ مدادِ دودۂ دل ہے — مگر لکھتا ہے وصفِ خاتمہ جلدِ رسالت کا
نہ پوچھو گرمیٔ شوقِ ثنا کی آتش افروزی — بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا
نمک تھا بختِ شورِ فکر خوانِ مدحِ شیریں پر — کہ دندانِ طمع نے خوں کیا ہے دستِ حسرت کا
خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرضِ مطلب سے بھلا کیونکر — کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامانِ اجابت کا
عنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشرِ غم اک دل — کہ جسکا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا
جراحت زار اک جاں دے کہ جسکی ہر جراحت کا — نمکداں شورِ الفت سے مزا آوے عیادت کا
فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر — کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہلِ ضلالت کا
مرا جوہر ہو سر تا پا صفائے مہرِ پیغمبر — مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا
مجھے وہ تیغ جوہر گر کہ میرے نام سے خوں ہو — دلِ صد پارہ اصحابِ نفاق اہلِ بدعت کا

خدایا لشکرِ اسلام تک پہونچا کہ آ پہونچا — لبوں پہ دم بلا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا
نہ رکھے گا نہ مہرِ امامِ اقتدا سنت — کہ انکارِ آشنائے کفر ہے اسکی امامت کا
امیرِ لشکرِ اسلام کا محکوم ہوں یعنی — ارادہ ہے مرا فوجِ ملائک پر حکومت کا

زمانہ مہدیؑ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلامِ پاک حضرت کا

آگ اشکِ گرم کو لگی جی کیا ہی جل گیا — آنسو جو اُس نے پونچھے شب اور ہاتھ جل گیا
پھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موئے پر خلل گیا — جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا
کیا روؤں خیرہ چشمیٔ بختِ سیاہ کو — واں شغلِ سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا
کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیوں — غیروں کو آ کے بزم میں وہ عطر مل گیا
اُس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی — کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی — آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا
اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل — میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!
کچھ جی گرا پڑے تھا پر اب تو نے ناز سے — مجھ کو گرا دیا تو مرا جی سنبھل گیا

بُت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا!

لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر کا سا — فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا
نجاؤں گا کبھی جنت کو میں نجاؤں گا — اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا
کرے نہ خانہ خرابی تری ندامتِ جور — کہ آبِ شرم میں ہے جوش چشمِ تر کا سا
یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت — دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

لگے اُن آنکھوں سے ہر وقت اے دلِ صد چاک
ترا نہ رتبہ ہوا کیوں شگافِ در کا سا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا!

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب
ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

خبر نہیں کہ اُسے کیا ہوا پر اس در پر
نشانِ پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

دل ایسے شوخ کو مومن نے دیدیا کہ جو ہے
محب حسینؑ کا اور دل رکھے شمر کا سا

گر وہاں بھی یہ خموشی اثرِ افغاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

اُن سے بدخو کا کرم بھی ستمِ جاں ہوگا
میں تو کیا غیر بھی دل دیکے پشیماں ہوگا

اور ایسا کوئی کیا بے سروساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہوگا!

محو مجھ سا دمِ نظارۂ جاناں ہوگا!
آئنہ آئنہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

خواہشِ مرگ ہوا اتنا نہ ستا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

ایسی لذت خلشِ دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینہ میں اُس کا کوئی پیکاں ہوگا

بوسہ ہائے لبِ شیریں کے مضامیں ہیں نکو
لفظ سے لفظ مرے شعر کا چسپاں ہوگا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

حیرتِ حسن نے دیوانہ کیا گر اُس کا
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہوگا!

دیدۂ منتظر آتا نہیں شاید تجھ تک
کہ مرے خواب کا بھی کوئی نگہباں ہوگا

گرمیِ گریۂ مضموں شرر ریز رہی
رشتہ شمع سے شیرازۂ دیواں ہوگا

کیونکر امیدِ وفا سے ہو تسلّی دل کو!!
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

گر ترے خنجرِ مژگاں نے کیا قتل مجھے
غیر کیا کیا ملک الموت کے قرباں ہوگا

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخنداں ہوگا

بے سبب کیوں نمکِ لبِ زخم پہ افغاں ہوگا — شورِ محشر سے بھرا اُس کا نمکداں ہوگا
آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا — مرگ کی آس پہ جیتا شبِ ہجراں ہوگا
مجمعِ بسترِ مخمل شبِ غم یاد آیا!! — طالعِ خفتہ کا کیا خواب پریشاں ہوگا
دل میں شوقِ رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز — ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا
درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری — چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
شوخیٔ بخت تو ہے چین لے اے وحشتِ دل — دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا
نسبتِ عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی — ہے یہ رونا کہ دہن گور کا خنداں ہوگا
بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا — دل بھی شاید اُسی بدعہد کا پیماں ہوگا

دوستی اُس صنمِ آفتِ ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا — دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے — آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
مر گئے اُس کے لبِ جاں بخش پہ — ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا!
بجھ گئی اک آہ میں شمعِ حیات — مجھ کو دمِ سرد نے ٹھنڈا کیا
غیرِ عیادت سے بُرا مانتے — قتل کیا آن کے اچھا کیا
اُن سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی — مجھ کو مری شرم نے اچھا کیا
زندگیٔ ہجر بھی اک موت تھی — مرگ نے کیا کارِ مسیحا کیا

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے
آپ مرے خون کا دعویٰ کیا

جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے
راز مرا صبر نے افشا کیا

کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجیے
اُس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا

رحم فلک اور مرے حال پر
تو نے کرم اے ستم آرا کیا

سچ ہی سہی آپ کا پیمان وفا
مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا

دعویٰ تکلیف سے جلاد نے
روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا

دشمن مومن ہی رہے بت سدا
مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

موئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

پسیجے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

دیت میں روزِ جزا دے رہینگے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں کبھی زیاں نہ ہوا

وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیِ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذتِ ستم سے کہ میں
حریف کشمکشِ نالہ و فغاں نہ ہوا

دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

امیدِ وعدۂ دیدارِ حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

سم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعدِ مرگ
ہنگامۂ محبتِ اغیار کم ہوا!

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری   واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا
آئے غزالِ چشم سدا میرے دام میں   صیاد ہی رہا میں گرفتار کم ہوا
ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی   تو بھی نہ واں تغافلِ بسیار کم ہوا
سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں   اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا
کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب ہوئے   اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا!

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیندار کم ہوا

گر غیر کے گھر سے نہ دل آرام نکلتا   دم کاہے کو یوں اے دلِ ناکام نکلتا
میں وہم سے مرتا ہوں وہاں رعب سے اسکے   قاصد کی زبان سے نہیں پیغام نکلتا
کرتے جو مجھے یاد شبِ وصلِ عدو تم   کیا صبح کو خورشید نہ تا شام نکلتا
جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے   اپنی طرح اے گردشِ ایام نکلتا
ہر ایک سے اس بزم میں سب پوچھتے تھے نام   تھا لطف جو کوئی مرا ہمنام نکلتا
تھی نوحہ زنی دل کی جنازے پہ ضروری   شاید کہ وہ گھبرا کے سرِ بام نکلتا
کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غمِ ہجر   یہ خار نہیں دل سے گل اندام نکلتا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بتخانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا   جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا
دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا   یہ تو نہ جائے کہیں وہ لے گیا
آئینہ جلدی سے پٹک دو کہیں   دل ہے نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

ہوں میں سیہ روز کردہ شمع رو — شام کو آیا تھا سحر کو گیا

طالعِ برگشتہ مرے کیا پھرے — ملک عدم سے نہ پھرا جو گیا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ — آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا

شوخیِ قاتل کے میں قربان ہوں — کہتے رہے سب یہ گیا وہ گیا

صبر نہیں شام فراق آچکو — جس سے کہ بیزار تھے تم سو گیا

شکر اثر تھا گلۂ دشمناں — نالہ مرے کام سے یارو گیا

زلف کی بو آئے گی ہم کو اگر — غیر کے گھر دستۂ شب بو گیا

ہائے صنم ہائے صنم لب پہ کیوں
خیر ہے مومن تمھیں کیا ہو گیا

ڈر تو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — پر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح یہ گلہ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — تو کب مری سنتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ غیر سے ہونٹوں میں کہے ہے یہ جو پوچھو — تو وونہیں مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمھارے — پر پاس تمھارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح کو جو چاہوں تو ابھی ٹھیک بنا دوں — پر خوف خدا کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو — یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کہیے نصیبوں کو کہ اغیار کا شکوہ — سن سن کے وہ چپکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے — اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اے چارہ گرو قابلِ درماں نہیں یہ درد — ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر وقت ہے دشنام ہر اک بات میں طعنہ — پھر اس پہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سُن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
سنتا نہیں وہ ورنہ یہ سرگوشیٔ اغیار کیا مجھ کو گوارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

رات کس کس طرح کہا نہ رہا نہ رہا پردہ مہ لقا نہ رہا
غیر آکر قریب خانہ رہا شوق اب تیرے آنیکا نہ رہا
تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
غم را کس لئے کہ دنیا میں نہ رہا میں مرا فسانہ رہا!
مدعا غیر سے کہا تا وہ سمجھے اب کچھ بھی مدعا نہ رہا
کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ تمام شب محوِ دودِ چراغ خانہ رہا
غیر چھیڑ کے ہے زخم دل پہ نمک شورِ الفت میں بھی مزا نہ رہا
پہونچے وہ لوگ رتبہ کو کہ مجھے شکوۂ بختِ نارسا نہ رہا
تلخ کامی نصیبِ اعدا حیف جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا!
دل لگانے کے تو اٹھائے مزے جی بلا سے رہا رہا نہ رہا!
تو فلک، مرگ ہم سے سب غافل اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

مومن اس بت کے نیم نازی سے
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

٢ نکلنے چاک گریباں کو تو سو بار لگا ہاتھ کٹواؤں جو ناصح رہے اب تار لگا
بسکہ اک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر — آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا
شوخ تھا رنگِ حنا میرے لہو سے سو ہے — قتلِ اغیار سے کیا ہاتھ ترے یار لگا
تو کسی کا بھی خریدار نہیں پر ظالم — سرفروشوں کا ترے کوچہ میں بازار لگا
منہ میں کیسا خمِ صہبا کے بھر آیا پانی ق — تیرے لب سے جو لبِ ساغرِ سرشار لگا
ناگہاں نعش پہ عاشق کی دمِ نوحہ گری — کوئی مذکور ترا کرنے ستمگار لگا
دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مردن تھی — آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا

کعبہ سے جانبِ بتخانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

شبِ غمِ فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا — دم رکے تھا سینے میں کمبخت جی گھبرائے تھا
یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا — تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے تھا
بل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیماں شکن — وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرمائے تھا
سن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا — کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آ جائے تھا
یار و دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے — وہ ادھر کو جائے تھا اور یہ ادھر کو آئے تھا
بات شکوہ اُس سے منع بیقراری پر بڑھی — ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا
کوئی دن تو اُس پہ کیا تصویر کا عالم رہا — ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر نچائے تھا
ناز شوخی دیکھنا وقتِ تظلم دمبدم — مجھ سے وہ عذرِ جفا کرتا تھا اور جھلائے تھا

ہو گئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومنِ وحشی کو دیکھا اس طرف سے جاتے تھا

ہماری یاں شب تجھ بن دن کا کام لیتا تھا — خدنگِ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا

عبث الفت بڑھی تمکو وہ کب دیتا تھا دم تم پر | یہ مجھکو دیکھکر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا
چھپایا کیوں مرادان رات دن رہنا ہمہ پر | بتا تو کیا ترا اس گردش ایام لیتا تھا
نہ کانٹو پر کوئی یوں لوٹے جوں میں بستر گل پر | ترے بن کھو دئیں شب اے سمن اندام لیتا تھا
سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے | نہ مجکو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا | کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا
میں اُسکی بزم مے میں زہر پی کیونکر نہ مر جاتا | کہ میرے سامنے اُس لب کے بوسے جام لیتا تھا

اگر مومن ہی ہو مومن دے میں تو نہ مانوں گا
جو عہد دوستی وہ دشمن اسلام لیتا تھا

وقت جوش بحر گریہ میں جو گرم نالہ تھا | حلقہ گرداب اشک شعلہ جوالہ تھا
آگ کیا ہم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر | وقت بارش اخگر خورشید تف ہر ژالہ تھا
اک نگاہ سرسری دیوانہ ہم کو کر گئی | گردش چشم پری دیدہ ساغر بنگالہ تھا
دیکھ کر یہ مجمع امڈا کیا ہی ابر اشک آہ | حلقۂ اغیار اُس رخ کے گرد مہ کا ہالہ تھا
آبلے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ | میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا
شور الفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو | گرم نمکینی سے تیغ شمشیر بر تبخالہ تھا!

مومن عاشق طبیعت نوجواں ہی مر گیا
عشق طفل چند سالہ دشمن صد سالہ تھا

میرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا | شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا
اُس ہر دلی سے تھا خنجر بیداد رہا | بارے اک دم تو ترا نالۂ فریاد رہا!!
بیکسی نے نہ دیا ہائے تہ خاک بھی چین | تا قیامت الم گریۂ جلاد رہا!!

لذتِ جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظرِ دعوتِ فریاد رہا!

یاد سہواً اُسے اے غیر ہے نسیاں عمداً
یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

سر ٹپکنے نے مرے سنگِ درِ اُس کا توڑا
یہی سودا ہے تو گھر کا ہے کو آباد رہا

کرۂ خاک ہے گردش میں طپش سے میری
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا

چھوٹنا دامِ شکستہ سے بھی آسان نہیں
میں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا!

نے چلا جوششِ جنوں جانبِ صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آکر وہ پریزاد رہا

گہہ غم حور گئے عشقِ بتاں اے مومن
میں سدا سوختۂ حسنِ خداداد رہا

میں نے تمکو دل دیا تمنے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تمنے مجھ سے کیا کیا

کشتۂ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لئے اللہ نے پیدا کیا

روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں ہم مر گئے
اب تو خوش ہو بیوفا تیرا ہی لے کہنا کیا

رو دیئے کیا بختِ خفتہ کو کہ آدھی رات سے
میں یہاں رویا کیا اور وہ وہاں سویا کیا

آتشِ اُلفت بجھا دی داغہائے اشک نے
گرمئ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ہے ای وعدۂ خلاف
دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا

دلبروں میں بیوفا میری وفا کی دھوم ہے
بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جانا کیا

چارہ گر کعبے میں اُس کے آستاں سے لیکے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر ٹپکا کیا

غیر کا اور آپکا گر دل نہیں ہے ایک تو
کیوں ترے دل میں مرے یاد آنیکا چرچا کیا

کیا خجل ہوں اب علاجِ بیقراری کیا کروں
دھر دیا ہاتھ اُسنے دل پر تو بھی دل نے ضد کا کیا

عرضِ ایماں سے صنم اُس غارتگرِ دیں کو بھی
مجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا ۔۔۔ نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا
کیا اس نے قتلِ جہاں اک نظر میں ۔۔۔ کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
نہ میری سُنے وہ نہ میں ناصحوں کی ۔۔۔ نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا
مجھے مار ڈالا ہے انکار نے پھر ۔۔۔ یہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعویٰ کسی کا
جو پھر جائے اس بیوفا سے تو جانوں ۔۔۔ کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا
صبا نکہتِ یار لائی کہاں سے ۔۔۔ نہیں دخل اس کو میں اصلا کسی کا
وہ کرتے ہیں بیباک عاشق کشی یوں ۔۔۔ نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا
کوئی کیا کرے آپ ہرجائی ہو تم ۔۔۔ نہیں میری جاں شکوہ بیجا کسی کا

دم الحذرا در عشقِ بُتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا!

محشر میں پاس کیوں دمِ فریاد آگیا ۔۔۔ رحم اُس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا
اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں ۔۔۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
ہم چارہ گر کو یونہی پنہاتے بیڑیاں ۔۔۔ قابو میں اپنے گر وہ پری زاد آگیا
دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی ۔۔۔ اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا
وہ بدگماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے ۔۔۔ ذکرِ بتانِ خلخ و نوشاد آگیا
تھے بے گناہ جرأتِ پابوس تھی ضرور ۔۔۔ کیا کرتے وہم خجلتِ جلاد آگیا
جب ہوچکا یقیں کہ نہیں طاقتِ وصال ۔۔۔ دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد آگیا

ذکرِ شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ
مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارکباد کیا

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں
حضرتِ ناصح کریں ارشاد کیا

ہیں اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر
ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا

نشۂ الفت سے بھولے یار کو
سچ ہے ایسی بیخودی میں یاد کیا

نالہ اکدم میں اُڑا دے دھجیاں
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

جب تجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو!
بیوفا پھر حاصلِ بیداد کیا

یاد تک پہونچی وہ زلفِ خم بخم
سرو کو اب باندھیئے آزاد کیا

کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر
ولولہ کیا نالہ کیا فریاد کیا

دلربائی زلفِ جاناں کی نہیں
پیچ و تابِ طرۂ شمشاد کیا

روزِ محشر کی توقع ہے عبث
ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد کیا

گر بہائے خونِ عاشق ہے وصال
انتقامِ زحمتِ جلاد کیا!!

بت کدہ جنت ہے چلیئے بے ہراس
لب پہ مومن ہر چہ بادا باد کیا

دلِ بیتاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہریگا
سوا اُس در کی زنجیر کے یہ مجنوں ٹھہریگا

طپش سے خاک میں بھی عاشقِ محزوں نہ ٹھہریگا
کہ گنبد قبر کا جوں گنبدِ گردوں نہ ٹھہریگا

نہ ٹھہرا بوسہ تو دینا دلِ مفتوں نہ ٹھہریگا
اگر واں دوش ٹھہریگا تو یاں بھی یوں نہ ٹھہریگا

اگر گردش یہی ہے ہنچیوں گے چشمِ میگوں کی
کفِ ساقی میں جامِ بادۂ گلگوں نہ ٹھہریگا

[illegible] ہو گئی ہے مجھے طرحِ زانوئے جاناں کی
یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہریگا

کیا بہرِ عیادت گر ارادہ اُس نے آنیکا — تو جبتک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہریگا
ہوئی تاثیر گر تصویرِ لیلیٰ بھی اُس سروِ موزوں کی — زمیں کیا آسماں پر نالۂ موزوں نہ ٹھہریگا
مہِ نو بن گئے ہم طولِ شبہائے جدائی سے — کہاں تک دیکھئے وہ حسنِ روزافزوں ٹھہریگا
وہ شاعر ہوں کہ باندھونگا غمِ زنجیرِ کاکل سے — اگر دل کی قلق کے صحیاں میں مضموں نہ ٹھہریگا

طوافِ کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہریگا

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا — میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
نہ شادی مرگ ہو کیونکر یہ مژدہ قتلِ دشمن کا — کہ گھر میں سے لئے شمشیر وہ روتا نکل آیا
کیا زنجیر مجھکو چارہ گر نے کن دنوں میں جب — عدو کی قید سے وہ شوخِ بے پروا نکل آیا
نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں — سنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا
ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو — یہ بعدِ انفصال اب اِک نیا جھگڑا نکل آیا
ہوئی بلبل ثنا خوانِ دہانِ تنگ کس گل کی — کہ فردوسی میں غنچہ کا منہ اتنا سا نکل آیا
کوئی تیر اُس کا دل میں رہ گیا تھا کیا الٰہی آنکھوں سے — ابھی رونے میں اک پیکاں کا ٹکڑا نکل آیا
دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو — کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا!

بہت نازاں ہے تو اے قیس وحشت پر دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھی قصہ جو مومن کا نکل آیا!!

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا — میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
ناصح ہے طعنہ زن مری ناکامیوں پہ کیا — دلجوئیوں سے تیری کبھی کامیاب تھا
پھرنے سے شامِ وعدہ کے تھکے یہ کہ سو رہے — آرام شکوۂ ستمِ اضطراب تھا

عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گر اسی پہ ہوں	شب حالِ غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا
وہ چشمِ انتظار کہاں باز بعدِ مرگ	دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا
بے پردہ غیر سے نہوا ہوگا شب کو صبح	آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا
دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج!	سنبل کو تیری زلف کا سایہ پیچ و تاب تھا
ہوں کیونکہ محوِ حیرتِ نیرنگہائے شوق	جو دل میں شعلہ تھا وہ آنکھوں میں آب تھا

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجکو آج تلک اجتناب تھا

مجھ کو تیرے عتاب نے مارا	یا مرے اضطراب نے مارا
بزم سے میں بس ایک میں محروم	آپ کے اجتناب نے مارا
لے کے دل بھی کبھی نہیں جاتی	زلف کے پیچ و تاب نے مارا
کیا سپند آئی اپنی جور کشی!	مرغ کے انتخاب نے مارا
خاک اٹھینگے خاک سے جو یونہی!	ترکِ آرام و خواب نے مارا
تشنہ کامی وصال کی مت پوچھ	شوقِ تیغِ خوش آب نے مارا
خوں کیونکر مرا کھلے کہ مجھے	اک سراپا حجاب نے مارا
یادِ ایامِ وصلِ یار افسوس	دہر کے انقلاب نے مارا!
لبِ میگوں پہ جان دیتے ہیں	ہمیں شوقِ شراب نے مارا
نازک اندام سے لگی ہے آنکھ	حسرتِ فرشِ خواب نے مارا
کیسا یہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں	مجھے فکرِ جواب نے مارا!
یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں!	تیرے عہدِ شباب نے مارا

مومن از بس ہیں بے شمار گناہ
غم روزِ حساب نے مارا

دیکھ لو شوقِ ناتمام مرا ! غیر سے جا کے ہے پیام مرا
بے اثر ہے فغان خود آدد ! کیوں نہ ہوئے خراب کام مرا
آتشیں خو سے آرزوئے وصال پک گیا اب خیالِ خام مرا !
دیکھنا کثرتِ بلانوشی کاسۂ آسماں ہے جام مرا
کس صنم کو چھڑا دیا واعظ اے خدا تجھ سے انتقام مرا
ہو کے یوسف جو دل چراتے ہو کون ہو جائے گا غلام مرا !
اس لبِ لعل کی شکایت ہے کیونکہ رنگین نہو کلام مرا ! !
تو نے رسوا کیا مجھے اب تک کوئی بھی جانتا تھا نام مرا

ق

زانوئے بت پہ جان دی دیکھا مومن انجام و اختتام مرا
بندگی کام آ رہی آخر
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

ناز بیجا سے سوا شرم کے حاصل نہوا غیر پر ظلم کئے میرے مقابل نہوا
خود گلا کاٹ موا جبکہ میں بسمل نہوا اُن کو آسان نہوا جو مجھے مشکل نہوا
کس طرح بزم میں وہ آنکھ چراتے مجھسے دل کو کھو کر یہ ڈرا تھا کہ میں غافل نہ ہوا
خود چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے شہید مجکو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہوا
یادِ کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی جوشِ وحشت سے سبب پائے بہ سلاسل نہوا

دلدہی کیسی وہ دم دیتے ہیں سوائ دشمن　　کیا نہ دیتے مجھے میں آپ ہی سائل نہ ہوا
خوں مرا ہار گلے کا نہ ہو کیوں اے قاتل　　دستِ رنگیں مری گردن میں حمائل نہ ہوا
بے حجابی کا گلہ کیجئے تو کہتا ہے ترے　　پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا
کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آجاتا　　شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

مر گیا جب یہ نہیں گھر میں رسائی اُس کے
تھا تو مومن میں دلے خلد میں داخل نہ ہوا

فراقِ غیر میں ہے بیقراری یاب اپنا سا　　بنایا تو نے اس کو بھی دلِ بیتاب اپنا سا
کسی کا سوزِ دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا　　تو سب کو جانے ہے اے مہرِ عالمتاب اپنا سا
جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے　　کہ ظالم ہو گئے منہ لیکے سب احباب اپنا سا
اگر مرضی یہی ٹھہری کہ تجکو چھوڑ دوں مجکو　　بتادے اور کوئی غیرتِ مہتاب اپنا سا
یہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں کس کا در ہے دیکھو تو　　مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خونِ اب اپنا سا
بناوٹ سے یہ نقشِ لالہ کو بل کھایا کریں لیکن　　یہ ممکن ہی نہیں ہو دے جو پیچ و تاب اپنا سا

اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے
کہاں ہے لیک معنی بند مضمون یاب اپنا سا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا　　وہ دیکھتے تھے سانس کبھی اور مجھ میں دم نہ تھا
بیخود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا　　جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا
شاید کہ دستِ غیر رہا رات شانہ کش　　اُس زلفِ تابدار میں کچھ آج خم نہ تھا
جوشِ قلق نے اُس کو بھی دیوانہ کر دیا　　پہلے تو ورنہ طبع تحمل میں رم نہ تھا
چھیڑ گئے ہے لذتِ زخم یہ وہ کیوں نہ ہو غمیں　　الماس کی تھی آس جبھی تک الم نہ تھا

میں مرگیا وہ چشم جو یاد آئی اور یار — حیران ہیں کہ مے تھی پیالہ میں سم نہ تھا
چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تب ہجر نے کہ رات — روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا
درباں کو آنے دیجئے یہ میرے نہ کیجے قتل — ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو!
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا

غیر کو سینہ کیے سے سیمبر دکھلا دیا — تم نے کیا کچھ کس کو اپنی بات پر دکھلا دیا
زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا — آج ہم نے اُسکو اپنا زور و زر دکھلا دیا
صبح سے تعریف ہے صبر و سکونِ غیر کی — کسنے شب تجکو تڑپتے پیشِ در دکھلا دیا
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر — جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا
اُس کے دل میں اب خیالِ قتل ہر دم آئے ہے — موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا
گو حسد سے پر ہوا اب بھی ہے ہی ناصح کی بات — ناحق اُس جانِ جہاں کو اک نظر دکھلا دیا
نام الفت کا نہ لونگا جب تلک ہے دم میں دم — تو نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا
جب کہا دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے — میں نے اُنکی ضد سے سینہ کاٹ کر دکھلا دیا
اُس قیامت قد کو شب دیکھا تھا میں نے خواب میں — دل نے محشر کا سماں وقتِ سحر دکھلا دیا
سخت کمبختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا — غیر کو خط نامہ بر نے بے خبر دکھلا دیا

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمانِ بالغیب آپ کا
اُس بُتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا — میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
اڑتے ہی رنگ رُخ مرا نظروں سے تھا نہاں — اس مرغِ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا

دشنام یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں — اے ہمنفس نزاکتِ آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حالِ زار منجم ہوا رقیب — تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا
بدکام کا مآل برا ہے جزا کے بعد — حالِ سپہرِ تفرقہ انداز دیکھنا
مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم — پامال ہو نہ جائے سرافراز دیکھنا
کشتہ ہوں اس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح — کرنا سمجھ کے دعوئے اعجاز دیکھنا
میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو! — بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا

کہہ رہا ہے کون کس سے یہ شکیبائی ملا — مجکو قسمت سے نصیحت گر بھی سودائی ملا
میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایکدن آجائے گا — دو مبارکباد اب کی یارِ ہرجائی ملا
گر رہیں بھی جوشِ غم دل سے نہ نکلا ہائے ہائے — آپ ہی میں ہم نہیں جب کنجِ تنہائی ملا
پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے — کام دل جسکو ملا یاں بعدِ رسوائی ملا
تلخ کامی پر مجھے تجکو لبِ شیریں پہ ناز — آمرے جلاد سے اعجاز مسیحائی ملا
ہے جنوں ایسے کے آگے ٹھہرنا اے بوالہوس — دیکھتے ہی مجکو بھاگا جو تماشائی ملا

چھوڑ بت خانہ کو مومن سجدہ کعبے میں کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدرِ جبیں سائی ملا

ہم رنگِ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا — طوفانِ باد ہے مجھے جھونکا نسیم کا
چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیانِ اشک نے — اپنی ہی فوج ہو گئی لشکر غنیم کا
یارانِ نو کے واسطے مجھ سے خفا ہوئے — تم کو نہیں ہے پاس نیازِ قدیم کا

یاد آئی کافروں کو مری آہ سرد کی / کیونکر نہ کانپے لگے شعلہ جحیم کا!
واعظ کبھی ہلا نہیں کوئے صنم سے میں / کیا جانوں کیا ہے مرتبہ عرشِ عظیم کا
کہتا ہے بات بات پہ کیوں جان کھا گئے / گویا کہ پک گیا ہے کلیجہ ندیم کا!
واعظ بتوں کو خلد میں لیجائیں گے کہیں / ہے وعدہ کافروں سے عذابِ الیم کا

مومن تجھے تو وہم ہے مومن بھی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبعِ سلیم کا!

جوں نکہتِ گل جنبش ہے جی کا نکل جانا / اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جانا
یا لغزِ محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا / اس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا
اتنا تو نہ گھبراؤ راحت یہیں فرماؤ / گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی کل جانا!
اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ہمیں ترسایا / تو نے کہیں سکھلایا قابو سے نکل جانا
کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہیں نے تو / نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا
ہے ظلم کرم جتنا تھا فرق پڑا کتنا / مشکل ہے مزاج اتنا اک بار بدل جانا
حوروں کی ثنا خوانی واعظ یونہی کب مانی / لے آکے بہ نادانی باتوں میں بہل جانا
عشقِ اُن کی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے / لو مجھ کو اطبا نے سودے کا خلل جانا
کیا باتیں بناتا ہے وہ جان جلاتا ہے / پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا

دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت میں
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

کیا قہر طعنِ بوالہوس سے بے ادب ہوا / جرمِ رقیب قتل کا میرے سبب ہوا
محوِ جفا ستم کشِ الطاف کب ہوا / رحم اس کو میرے حال پہ آیا غضب ہوا

بوسے دمِ غضب لیے اُلٹی سمجھ تو دیکھ — بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا
کس دن تھی اُس کے دل میں محبت جو اب نہیں — سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہوا
بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر — جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا
جی طعنِ وصلِ حور سے کیسے جلا دیا — روزِ جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا
از بسکہ تھی وصال میں غیروں سے ہمسری — عیش و سرور باعثِ رنج و تعب ہوا
بر میں عدو کے سوئے بغل سے مری اُٹھ کے — وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا
اب اذنِ انتقام جفائے فلک تو دو — سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا

ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا

اے آرزوئے قتل ذرا دل کو تھامنا — مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا
تاثیر بیقراری ناکام آفریں — ہے کام اُن سے شوخِ شمائل کو تھامنا
دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے — اے چرخ اپنے تو مہِ کامل کو تھامنا
ہو صرصرِ فغاں سے نہ کیونکر وہ مضطرب — مشکل ہوا ہے پردۂ محمل کو تھامنا
سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نَے آسمان شکن — صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا
یہ زلفِ خم بخم نہ ہو کیا تابِ غیر ہے — تیرے جنون زدے کی سلاسل کو تھامنا
سیماب وار مر گئے ضبطِ قلق سے ہم — کیا قہر ہے طبیعتِ مائل کو تھامنا
آغوشِ گور ہو گئی آخر لہولہان — آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا
سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی — لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا
باقی ہے شوقِ چاکِ گریباں ابھی مجھے — بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا

دکھلا رہیگی جلوہ نزاکت کہ ہے انہیں — دشوار چاکِ پردۂ محمل کو تھامنا

مت مانگیو اماں بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبانِ بیہودہ سائل کو تھامنا

لے اُڑی ال اشہ ہوا لاغر بس تن ہو گیا — ذرۂ ریگ بیابان اپنا مدفن ہو گیا
بن ترے لے شعلہ رو آتشکدہ تن ہو گیا — شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا
میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں — سوزِ دل کو آبِ اشکِ آتش پہ روغن ہو گیا
پاؤں زنداں سے اُٹھے کیا سر اُٹھا سکتے نہیں — حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہو گیا
جھانکتے ہیں کیا ملائک اُس پری رخسار کو — پردۂ تدبیرِ افلاک چلمن ہو گیا
شہر میں ہے شہرہ کس قدِ قیامت زا کا کیوں — جلوہ گاہِ حشر ہر کوچے کا برزن ہو گیا
ہم یقینی جوشِ وحشت سے فلک پر پہونچتے — خارِ دامنگیر عیسیٰ کے سوزن ہو گیا
آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبو یا ہے مجھے — چشم کا سوراخ تو کشتی کا روزن ہو گیا
خاک اُڑائی میں نے کیا طرزِ جنونِ قیس کی — شاہ جہاں آباد سارا نجد کا بن ہو گیا
داغِ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے — تھا چراغِ خانہ ہمکو برقِ خرمن ہو گیا
بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں — دم جو کچھ باقی رہا تھا صرفِ شیون ہو گیا

اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہرِ فن ہو گیا

میں ہلاکِ اشتیاقِ طرزِ گشتن ہو گیا — دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہو گیا
دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے — تر ہوا دامن تو بارے پاکدامن ہو گیا
ہو گیا سکتہ نویدِ وصل شادیِ مرگ میں — لب تلک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہو گیا

کون سا گذرا یہاں سے شہسوار نازنیں
سبزۂ تربت مرا پامالِ توسن ہو گیا

زخم تو بھی مرہمِ زخمِ کہن ہے چارہ گر
بند تیرِ یار سے سینہ کا روزن ہو گیا

بسکہ میں ساونے برسا کرتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہو گیا

اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہمِ ربطِ دشمن ہو گیا

صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا
بدگمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہو گیا

مومنِ دیندار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخِ وقت تھا سو بھی برہمن ہو گیا

قابو میں نہیں ہے دلِ کم حوصلہ اپنا
اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا

بیگانۂ حرم ہم ہیں نہ ناقوسِ کلیسا
پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا

الجھاتے ہی اغیار نکل آتے ہیں باہر
زنجیرِ درِ یار ہے یا سلسلہ اپنا

تھے دشت میں ہمراہ مرے آبلۂ چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا

اس حال کو پہونچے ترے غصہ سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

زندہ نہوا ہائے دلِ مردہ اگرچہ
تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم
تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہونچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہونچا

اللہ ری ناتوانی جب شدتِ قلق میں
بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہونچا

روتے جو رحم آیا سو اس کے روبرو تو
یک قطرۂ خوں بھی چشمِ خونبار تک نہ پہونچا

عاشق سے مت بیاں کر قتلِ عدو کا مژدہ
پیغامِ مرگ ہے یہ بیمار تک نہ پہونچا

بے بختِ رنگ خوبی کس کام کا کہ میں تو / تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہونچا
صرفت اوّلِ سخن میں عاشق نے جان دیدی / قاصد ترا بیاں بھی اقرار تک نہ پہونچا
بختِ رسا مدد کے جو چاہیے سو کیجے اب / یکبار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہونچا
غیروں سے اُس نے ہرگز چھوڑی نہ ہاتھا پائی / جب تک اجل کا صدمہ دو چار تک نہ پہونچا
مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہونچا

وعدے کی جو ساعت دمِ کشتن ہی ہمارا / جو دوست ہمارا ہے سو دشمن ہے ہمارا
یہ کاہ ربا سے بھی ہیں کم اے کششِ دل / مذکور کبھی ایسا پسِ چلمن ہے ہمارا
افسوس ہوئے شمع شبِ وصل کی مانند / جو قہقہہ شادی ہے سو شیون ہے ہمارا
دنیا نہیں اس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین / ہر ریگ کے واں دست میں توسن ہے ہمارا
تعریف نہ کیونکر ہو ہوا آ نہیں سکتی / گویا در و دیوار نشیمن ہے ہمارا
آغشتہ بخوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ / اُلٹے کفِ جلاد میں دامن ہے ہمارا
گر پاس ہے ہو گورِ کلی تو آجا کہ قلق ہے / ہے لاش کہیں اور کہیں مدفن ہے ہمارا
جذبِ دل اُسے کھینچ کے لائے تو کہاں لائے / جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا
بُت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن خضرِ راہ برہمن ہے ہمارا

ہمسر جو اُس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہو گیا / لو مرے بختِ سیہ کو اور سودا ہو گیا
گو جلانے پہ عدو کے وہ خود آزار ہو گیا / پر ہمارا ابھی تو مر جانا تماشا ہو گیا
مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی / کیوں بری حالت نہ ہو دیکھے غیر اچھا ہو گیا

ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گلہائے داغ
بید مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہو گیا

چشمۂ حیواں بنا اُس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بسکہ اعجاز مسیحا ہو گیا

روز محشر کیا ہوا یہ کیوں شب دیجور ہے
کیا ہمارا نامۂ اعمال کچھ وا ہو گیا

بیوفائی ہے سرشت اُس کی سو وہ ہم سے پھرا
ہم نوائی کے سبب سے غیر اپنا ہو گیا

جانِ و دل پر شکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خونِ تمنا ہو گیا

مٹ گیا ہوگا دوپٹہ منہ سے سوتے ہیں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہو گیا

لگ گئی چپ مجھ کو تو کبھی بات وہ کرتا نہیں
کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہو گیا

رو دیا اُس نے جو میری لاغری کو دیکھ کر
قطرۂ اشکِ ندامت مجھ کو دریا ہو گیا!

حق تو یہ ہے کہ غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے اُستادوں کو دعویٰ ہو گیا

میں تو دیوانہ تھا اُس کی عقل کو کیا ہو گیا
قیس کہتا ہے مجھے ناصح کو سودا ہو گیا

جوشِ عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشکِ خونی سے مرے منہ زرد اُس کا ہو گیا

سینہ زن یا جامہ در ہوتا ہے بن ماتم کوئی
آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہو گیا

زخم کھایا زہر کھایا تو کبھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گذری مرگ کو کیا جانیے کیا ہو گیا

یوں لبِ خنجر کے بوسے متصل لیتے نہ تھے
زخمِ کاری کی ہنسی میں کام میرا ہو گیا

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

تو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن مر گیا گویا اور پیدا ہو گیا

کفر ہے بے گلرخِ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا

کیا رشکِ غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا — میں جان کر حریفِ تغافل نہ ہو سکا

ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ زن — کیسا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہو سکا

عاشق نہو کہیں کہ اُنھیں قتلِ غیر میں — مشکل ہی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا

کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اُس کے دم سے تھی — دشمن جو ہم ترانۂ بلبل نہ ہو سکا

نفرت تھی اس قدر کہ نہ ٹھہرے وہ صبحدم — پاسِ درازیِ شبِ کاکل نہ ہو سکا

پردہ وفا سے ہو کب ترکِ عاشقی — کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

وہ عکسِ زلف چشمِ عدو میں پڑا نہو — نظارہ مجھ سے جانبِ سنبل نہ ہو سکا

تنگی وہی رہی دلِ صد چاک کی ہوا! — یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہو سکا

ہجرِ بتاں میں تجکو ہے مومن تلاشِ زہر
غم بہ حرام خوار توکل نہ ہو سکا!

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا — دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

شعلۂ دل کو نازِ تابش ہے — اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا!

شوق نے دورباشِ اعدا کو! — اُس کی محفل میں مرحبا جانا

اُس کے اُٹھتے ہی ہم جہاں سے اُٹھے — کیا قیامت ہے دل کا آ...جانا!

گھر میں خود رفتگی سے دھوم مچی — کیونکہ ہو اُس کا یک سرا جانا!

پوچھنا حالِ یار ہے منظور! — میں نے ناصح کا مدعا جانا!

مے نہ اُتری گلے سے جو اُس بن — مجکو یاروں نے پارسا جانا

شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا؟
تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

اُس وسعتِ کلام سے جی تنگ آگیا
ناصح تو میری جان نہ لے دل گیا گیا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

یہ ضعف ہے تو دم سے بھی کب تک چلا گیا
خود رفتگی کے صدمے سے مجھ کو غش آگیا

کیا پوچھتا ہے تلخیِ الفت میں پند گو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

میرا گلا ہنسی سے یونہی گھونٹتے ہیں وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا گیا

جلتی ہے جان آتشِ خس پوش دیکھ کر
جلوں سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا

بوئے سمن سے شاد تھے اغیارِ بے تمیز
اُس گل کو اعتبارِ نسیم و صبا گیا

آہِ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ہو
کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا

اے جذبِ دل نہ تھم کہ ٹھہر اوہ شعلہ رو
آیا تو گرم گرم ولیکن چلا گیا !

مجھ خانماں خراب کا لکھا کہ جان کر
وہ نامہ غیر کا مرے گھر میں گرا گیا !

مہندی ملے گا پاؤں سے دشمن تو آن کر
کیوں میرے تفتہ سینے کو ٹھوکر لگا گیا

بوسہ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی
مومن کو یاد کیا حجر الاسود آگیا

وہ ہنسے سن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا !

دھیان ہے غیر کے تحمل کا !
ہوش دیکھا ترے تغافل کا !

ہم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے
سبب آشفتگیٔ کاکل کا ! ! !

لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ
میں ہوں کشتہ ترے تجاہل کا !

نکہت اُس زلف کی صبا میں ہو
اُڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی　　ہو گیا گل چراغ بلبل کا

حیلۂ بے خودی ہے ہے مومن

توڑنا اس کو شیشۂ مل کا

اشکِ دانۂ اثر باعثِ صد جوش ہوا　　ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

جلوہ افزائی رخ کیا یہ مے نوش ہوا　　میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا

ہے یہ غم گور میں یک شب اول سے فزوں　　کہ وہ مہر و مرے ماتم میں سیہ پوش ہوا

مجھ پہ شمشیرِ نگہ خود بخود آپڑتی ہے　　عاجز احوالِ زلیخا سے وہ ستم کوش ہوا

آذریں دل میں رہی غمزۂ دشمن کے سبب　　اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

درِ جاناں سے ترا محو نہ اکتا خوش ہے　　کہ میں ہمدوش ہوں گو غیر کبھی ہمدوش ہوا

تو نے جو تجھ پہ خدا یاد دلایا مومن

شکوۂ جورِ بتاں دل سے فراموش ہوا

نالوں کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا　　اس شوخِ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا

برقِ آہ کو جو میں نے کہا مسکرا دیا　　دل گرمیوں نے اس کی کلیجا جلا دیا!

فرماتے ہیں وصال ہے انجامِ کارِ عشق　　کیا ناصحِ شفیق نے مژدہ سنا دیا!

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ　　اس بے حیا نے خطِ جبیں کیا مٹا دیا!

تاثیرِ سوزِ دل کہ تہ نار ہے مگر　　اس شعلہ رو کو سینہ سے میرے لگا دیا

دیکھا نہ میرے نالۂ آہن گداز نے　　آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا

رشکِ فغاں کی ہائے رقیبِ آتش بیاں　　محشر نے خفتگانِ زمیں کو جگا دیا! !

ہٹ ہٹ وہ مزار تک آ گئے اس کے بھی　　کہتے ہیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا!

ہمدم دکھا اُسے کہ کسی ڈھب سے رحم آئے   نامے کو میرے حالِ زبوں نے رُلا دیا!!

اُس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے   گُل کھانے کو رقیب کا قیمہ منگا دیا

ایسی غزل کہی ہے کہ جھکتا ہے سب کا سر

مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا   وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا

ٹھنڈا ہے گرم جوشیٔ افسردگی سے جی   کیسا اثر کہ نالۂ و افغاں نہیں رہا

کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ   کچھ بھی خیالِ جنبشِ مژگاں نہیں رہا

کیا اچھے ہو گئے کہ دکھوں سے بُرے ہوئے   یاروں کو فکرِ چارۂ درماں نہیں رہا

آنکھیں نہ بدلیں شوخ نظر کیونکہ ہو گئیں   مفتونِ لطفِ نرگسِ فتّاں نہیں رہا

ناکامیوں کا گاہ گِلہ گاہ شکر ہے   شوقِ وصال و اندوہِ ہجراں نہیں رہا

بے تودہ تودہ خاک سے یکدست ہو گئی   سر پہ جنونِ عشق کا احساں نہیں رہا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے   رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا

بیکاریٔ امید سے فرصت ہے رات دن   وہ کاروبارِ حسرتِ حرماں نہیں رہا

بے سیرِ دست و بادیہ لگنے لگا ہے جی   اور اس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا

کیا تلخ کامیوں نے لبِ زخم سی دیے   وہ شورِ اشتیاقِ نمکداں نہیں رہا

بے اعتبار ہو گئے ہم ترکِ عشق کر   از بسکہ پاسِ وعدہ و پیماں نہیں رہا

نیند آ گئی فسانۂ گیسو و زلف سے   وہم و گمانِ خوابِ پریشاں نہیں رہا

کس کام کے رہے جو کسی سے رہا نہ کام   سر ہے مگر غرور کا ساماں نہیں رہا

مومن یہ لافِ الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر   دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا!

کیا رم نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا

ہاں جوشِ طلبش چھیڑ چلی جائے کہ پھر تو
چھٹ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا

ناکامیِ امید پہ صبر آئے تو کیا آئے
ہر بات پہ کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا

منقوشِ دلِ خلق ہے پرہیز کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا!

بیٹھا رہوں کیا منتظرِ دور میں ساقی
مستوں میں کوئی میکدہ آشام نہ ہوگا

اس جوشِ طلبش پر بھی مشکل ہے رسائی
صد شکر کہ گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا!!

کیا کیجیے دل شوخیِ فطرت پہ جو آجائے
یہ تو ہمیں سمجھا تھا کہ وہ رام نہ ہوگا!

خو ہوگئی ہجراں میں تڑپنے کی شبِ وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا!

ہیں پاک نظر ہم تو وہ لے ذوق فزا عشق
بے چاشنیِ بوسہ دشنام نہ ہوگا

کم ظرفیِ اغیار پہ ساقی کو نظر ہے
افسوس مے آلودہ لبِ جام نہ ہوگا!

وہ شوخ فریبِ تملقِ غیر میں آیا
اب مجھ سے تو صبر اے دلِ ناکام نہ ہوگا

کیا فتنۂ محشر کو قدِ یار سے نسبت
ہے خاص کشی دولۂ عام نہ ہوگا!

ہے مہر تجھے دیکھ کے شرمندہ و مشتاق
اتنا کہ ظہورِ سحر و شام نہ ہوگا!!

بلبل کے ہے نالے کہ صبا کی سی کروں سعی
میرا نہوا ہے وہ گل اندام نہ ہوگا!

وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

گر ہیں کمبخت وہ بخیل ہوا
مجھ کو چھیڑ آسماں ذلیل ہوا

گر یہی بیخودی ہے صہبا میں
کون مشتاقِ سلسبیل ہوا!

آسماں راہ پر نہیں آتا
دعویِ خضر بے دلیل ہوا

ہائے وہ لا تہائے خود کامی — غیر ہر کام میں دخیل ہوا

اب تغافل ہے داں مگر گردوں — میرے آزار کا کفیل ہوا

کس قدر تیز رو ہے تمہارے صنم — نامہ بر میرا جبرئیل ہوا

اثرِ حسن و عشق تھا بے مثل — میں ترا تو مرا عدیل ہوا

العطش زن سپہر دیار و عدو — بے گنہ خوں مرا سبیل ہوا!

آپ کی کون سی بڑھی عزت — میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

کوتہی کی جواب میں جوں جوں — اور بھی خط مرا طویل ہوا!!

ہائے مومن شہادتِ بے اجر
بہرِ وصلِ صنم قتیل ہوا

غیر بیگانہ وار ہونا تھا — بس یہی تجھ سے یار ہونا تھا

کیا شبِ انتظار ہونا تھا! — ناحق امیدوار ہونا تھا!

کیوں نہ ہوتے عزیز غیر تمہیں — میری قسمت میں خوار ہونا تھا!

مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا — حشر اور ایک بار ہونا تھا!!

گر نہ تھی ایدلا اس کے رنج کی تاب — کیوں شکایت گزار ہونا تھا!

خاک ہوتا نہ میں تو کیا کرتا — اس کے در کا غبار ہونا تھا!!

مرگ شام وصال صرماں ہائے — صبحدم جاں نثار ہونا تھا!

اور سے ہمکنار ہے دشمن — آج تو ہمکنار ہونا تھا!

شکوہ دہر پہ کہا تم کو!! — پھر تو شرمندہ گار ہونا تھا!!

چشم بے اعتبار جاناں میں — نہ گیا مرا اعتبار ہونا تھا!

صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ — اے دلِ بے قرار ہونا تھا
کوئے دشمن میں جا پڑا تا کیوں — کیا تجھے شرمسار ہونا تھا
وہ نمک پاش بھی نہیں ہوتے — یوں ہی دل کو فگار ہونا تھا

رات دن بادۂ صنم مومنؔ!
کچھ تو پرہیزگار ہونا تھا!

اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا! — رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے — تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم — حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے — ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
اُس نے کیا جانے کیا کیا لے کر — دل کسی کام کا نہیں ہوتا!!
امتحاں کیجیے مرا جب تک — شوق زور آزما نہیں ہوتا!
نارسائی سے دم رکے تو رکے — میں کسی سے خفا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دل یار کو لکھوں کیونکر! — ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
رحم بر خصمِ جانِ غیر نہ ہو — سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا
دامن اُس کا جو ہے دراز تو ہو — دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں — سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

کیا ہوا اگر وہ بعد امتحاں اپنا | بے گنہ سزا پائے اب دل کہاں اپنا

خار و خس میں گلشن کے بوئے گل آتی تھی | رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا | اُن کو شوقِ آرائش دل پہ بد گماں اپنا

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے تو تنگ آکر | جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

صبر بعد آسائش اس تعلق پہ مشکل تھا | عیشِ جاوداں نکلا رنج جاوداں اپنا

دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری | کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا

دل کی بیقراری سے ہر تپش زمیں فرسا | ق برق خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

دیکھیے بس مرے دن حال جسم و جاں کیا ہو | بدگماں زمیں اپنی دشمن آسماں اپنا

دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن

ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا !

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا ! | مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

اس حسن پہ خلوت میں حال کہا کم تھا | کیا جانیے کیا کرتا گر آدمی جا ہوتا !

اک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُسکے | کیونکر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا

اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن | تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا

جنت کی ہوس واعظ بیجا ہے کہ عاشق ہوں | ہاں سیر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا

اس تلخی حسرت پر کیا چاشنی الفت | کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

تجھ کو سنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر | لب تک غم غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

ہے صلح عدو بیجا ہے جنگ غلط فہمی | جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا

ہوتا تھا وصال اک شب قسمت میں لکھا ہے گر | تو مجھ سے خفا ہوتا میں تجھ سے خفا ہوتا

اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی — گر چھوڑ نہ دیتا میں پامالِ جفا ہوتا

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بندِ قبا اُس کا — ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا

ہم بندگیٔ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر

ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اُسے بھی فکرِ ستم نہ ہوتا

جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا!

ہوئی خجالت سے نفرت افزا دل لگی کی خوب آخریں دم

وہ کاش اک دم ٹھہر نے لیتے کہ میرے لب پہ بھی دم نہ ہوتا

بُرا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُس نے خط پہ جھکا نامہ بر سے

کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفترِ آشنا رقم نہ ہوتا

کسی کے جلنے کا دھیان آیا دگرنہ دودِ فغاں سے میرے

اگر ہزاروں سپہر بنتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا

جو آپ در سے اُٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہہ سائی!

اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا

وصال کو ہم ترس رہے ہیں جواب ہوا تو مزا نہ پایا!!

عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اسکو رنج والم نہ ہوتا

جہانِ تنگ و ہجومِ وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی!

کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا

وہاں جمالِ صنم کو نفرت یہاں محبت ہے روز افزوں!

شریک زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ہوتا
غلط کہ صانع کو ہو گوارا خراشِ انگشتہائے نازک
جوابِ خط کی اُمید رکھتے جو قولِ جف القلم نہ ہوتا
یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کشش دلِ عاشقاں کی اُسکو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرامِ نازک قدم نہ ہوتا!!
وصال تو ہے کہاں میسر مگر خیالِ وصال ہی ہیں !
مزے اُڑاتے ہوس نکلتی جو ساتھ اندازِ رم نہ ہوتا
ہوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ درسِ واعظ کو سنکے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذابِ ہجرِ صنم نہ ہوتا

کوچے میں بستر آپ کے شام اور کا ہوا — اپنا جو تھا مقام، مقام اور کا ہوا!
تھا تم کو مجھ سے ربط تو تم سے مجھے بھی تھا — تم اور کے ہوئے تو غلام اور کا ہوا!
یہ چشم دشمنی آپ کی شب نیند آ گئی — وہ ہیں کہ بس فسانہ تمام اور کا ہوا
دن رات وہ ہے غیر سے درپردہ اختلاط — اب کاہے کو گذر لبِ بام اور کا ہوا
ہم اپنے ہونٹ چاٹتے ناکام رہ گئے — حاصل لبوں سے آپ کے کام اور کا ہوا
دل تو عبث ہے دشتِ تمنا نورد اب — وہ آہوئے رمیدہ تو رام اور کا ہوا
دامِ اجل میں پھنس گیا آتے ہی جال میں — صیاد صید میں، نہ دام اور کا ہوا
رہنے لگا ہے خانۂ دل میں غمِ فراق — رہتے تھے تم جہاں وہ مقام اور کا ہوا
جانب ز مومن اُس نے دیا غیر کو خطاب
ہم جان سے بھی کھیلے یہ نام اور کا ہوا!

ردیف الباء!

گئے وہ خواب سے اٹھ کر غیر کے گھر آخرِ شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخرِ شب

صبح دم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مر گئے ہم دمِ آغازِ سحر آخرِ شب

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخرِ شب

صبح دم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعتِ قہقری مہر و قمر آخرِ شب

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غل ہوئے چور کے اس کوچے میں گر آخرِ شب

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی!
خواب میں آ تو مرے آئے وہ مگر آخرِ شب

مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام وگر آخرِ شب

قتلِ عدو میں عذرِ نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم اٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب

وحشت سے میرے سایہ بھی اپنا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

سجدے پہ سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

قتلِ عدو نے شوقِ شہادت مٹا دیا!
لب پر ہمارے غلغلۂ الاماں ہے اب

پیری میں وصل غیرتِ یوسف ہوا نصیب
بختِ و اقبالِ زلیخا جواں ہے اب

کہدیں رقیب نے تری بے التفاتیاں
ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہے اب

رکھ لے سر اپنے زانوئے نازک پہ شوق سے
تیرا رفیقِ عشق بہت ناتواں ہے اب

وہ دن گئے کہ لاف وگزافِ جہاد تھا!
مومن ہلاکِ خنجرِ نازِ بتاں ہے اب

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب | کہیں سایہ مرا پڑا صاحب
ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب | غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
کیوں الجھتے ہو جنبش لب سے | خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب
ہائے ری چھیڑ رات سن سن کے | حال میرا کہا کہ کیا صاحب
دم آخر بھی تم نہیں آتے | بندگی اب کہ میں چلا صاحب
ستم آزار ظلم و جور و جفا | جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کس سے بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا | رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں | کس کا شب ذکر خیر تھا صاحب

نام عشق بتاں نہ لو مومن

کیجیے بس خدا خدا صاحب

تھی وصل میں بھی فکر جدائی تمام شب | وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب
واں طعن تیر یار یہاں شکوۂ زخم ریز | باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب
رنگیں ہیں یہ خون سے میرے وہ ہاتھ آج کل بھی | جبھی ہاتھ میں وہ دست حنائی تمام شب
تاگو سے یاں زبان سخن تک نہیں لگی | تھا اس کو شغل نغمہ سرائی تمام شب
یک بار دیکھتے ہی مجھے غش جو آ گیا | بھولے تھے وہ بھی ہوش ربائی تمام شب
مر جائے کیوں نہ صبح گئے تھے ہی پھر یہیں | تکلیف کیسی کی ہی اٹھائی تمام شب
گرم جواب شکوۂ جور عدو رہا! | اس شعلہ خو نے جان جلائی تمام شب
کہتا ہے مہروش تمہیں کیوں غم گر نہیں | دن ہجر ہمیشہ وصل جدائی تمام شب
مومن میں اپنے نالوں کے صدقے کہ کہتے ہیں | اس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

یاں سے کیا دنیا سے اٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ — رُک گیا میرا ابھی دم کیوں اسقدر رکتے ہیں آپ

ضبطِ نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں — شرم سے آہِ دغا کے بے اثر رکتے ہیں آپ

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی! — آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

سچ کہو نہ کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں — خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ

پاس تمکو ہی نہیں تو جائیے غیروں کے پاس — میں نہ روکوں روکنے سے میرے گر رکتے ہیں آپ

وصلِ شیریں کی تمنا کو نکمں کو کیا کہوں! — صحبتِ شاہاں سے ارباب ہنر رکتے ہیں آپ

دل کسی بُت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

باب التاء

کیا دکھاتا خوشی سے ہے بغیرِ دل کے گھر بسنت — پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت

واں تو ہے زرد پوش یہاں میں ہوں زرد رنگ — واں تیرے گھر بسنت ہے یاں میرے گھر بسنت

یہ کسکے زرد چہرہ کا اب دھیان بندھ گیا — میری نظر میں پھرتی ہے آٹھوں پہر بسنت

ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں — اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت

اُس رشکِ گل کے ہاتھ تلک کب پہنچ سکے — سرسوں ہتھیلی پہ نہ جمائے اگر بسنت

کسکو دکھا خلل یہ یرقاں کا ہے طبیب — پھولی ہے باغِ عشق کی یاں آن کر بسنت

مومن یہ کیا کہا کہ ہے رسمِ ہنود اب
کاہے کو لائیں گے وہ مری گور پر بسنت

سودا اٹھا بلا کے جوش پر رات — بستر پہ بچھائے نشتر رات

بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات — بے طور ہی تھی جہان پر رات

ہم تا سحر آپ میں نہیں تھے — کیا جانیے رہے وہ کیسے گھر رات

افسانہ سمجھ کے سو گئے وہ! — کام آئی فغانِ بے اثر رات

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے — تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

اندھیر پڑا زمانے میں ہائے — نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات

اس لیل و نہارِ غم نے مارا — ہے روز سیہ سیاہ تر رات

کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ! — بگڑے جو وہ طعنِ غیر پر رات

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم — موت آئی تھی قصہ مختصر رات

اُس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن

کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات

کرتے ہیں عدو وصل میں ہجراں کی شکایت — تھی بارے مؤثر غمِ ہجراں کی شکایت

یوں کہتے تھے وہ کب دلِ نالاں کی شکایت — کی ہوگی فلک نے مرے افغاں کی شکایت

اے پردہ نشیں جلوہ اُٹھا دے کہ نہ جل جائے — کرتا ہوں میں سوزِ غمِ پنہاں کی شکایت

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ — دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت

صد شکر وہ اُلجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا — تھی برہمیِ زلفِ پریشاں کی شکایت

ہے کس لیے شبہے اُسے دل دینے کا شکوہ — کرتا ہے جہاں میں کوئی احساں کی شکایت

کیا بار اجابت پہ گذر ہو دے دعا کا! — سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت

اے شورِ جنوں ڈر ہے زباں بند نہ ہو جائے — گر رہ گئی لبوں پہ مرے زنداں کی شکایت

کیوں طعنہ سمجھ کر ہے گلہ شکرِ جفا کا — جانے دو کہ بیجا ہے پشیماں کی شکایت

کس واسطے اے شمع زباں کاٹتے ہیں لوگ   کیا تو نے کبھی کی تھی شب ہجراں کی شکایت

حوران بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر ہو ایماں کی شکایت

ردیف الثاء

اظہار شوق شکوۂ اثر اس سے تھا عبث   یعنی کہا کہ مرتے ہیں تم پر کہا عبث
میں ایک سخت جان ہوں گردوں سے پوچھ لو   تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث
اے مہر وش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے   چلمن تو کیا ہے پردہ کیا بھی چھوڑنا عبث
امید وعدہ کی تو نہیں روز حشر میں   ہم سے وفائے زندگی بے وفا عبث
اس ضعف میں تو سینہ سے آتا ہی لب تلک   کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نارسا عبث
کیا اپنے درد دل کا بھی شکوہ نہ کیجیے   الجھے ہے بات بات پہ تو لعن و دقا عبث
گو چارہ ساز حضرت عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں   گر درد عشق ہے تو امید شفا عبث
جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا   افسوس مر کے دیکھا کہ جینا ہی کیا عبث

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا!
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

ردیف الجیم

ہو وہ بیتاب ادا تمہاری آج   ناز کرتی ہے بے قراری آج
اڑ گیا خاک پر غبار اپنا   ہو گئی خاک خاکساری آج!!

انعِ قتل کیوں ہوا دشمن — جان ہی جائے گی ہماری آج
تیرے آتے ہی دم میں دم آیا — ہو گئی یاس امیدواری آج
کوئی کھینچے ہے دل کو پہلو میں — کس نے کی اس سے ہمکناری آج
اس کے شکوہ سے ہے اثر ظاہر — کچھ تو کھلتی ہے آہ و زاری آج !!
اک نئی آرزو کا خون ہوا ! — ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج !
بیکسی کیوں ہے نعش پر مجمع — کیا ہوئی تو مری پیاری آج !
بھولے حسرت نصیحت اے ناصح — ہے کسی کی تو یادگاری آج !!

مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوئی لافِ دینداری آج

نیچہ شانہ سے تو زلف گرہ گیر نہ کھینچ — دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ نہ زنجیر نہ کھینچ
ہم تو کچھ بھی نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا — اے دعائے سحری منتِ تاثیر نہ کھینچ
اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق — دیکھ خمیازۂ حسرت پئے شمشیر نہ کھینچ
ہے دوا میری دہی سو نہیں ممکن کہ ملے — چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ
میں نہ کہتا تھا مصور کہ وہ ہے شعلہ مزاج — دیکھ تو صفحۂ قرطاس پہ تصویر نہ کھینچ
ہم جو انجامِ محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا — اپنی ایذا سے تو ہاتھ اے فلکِ پیر نہ کھینچ

مومن آتشِ محبت ہیں کہ ہے سب جائز
حسرتِ حرمتِ صہبا و مزامیر نہ کھینچ !

ردیف الحاء

گلچین سے اور ہے ہی رہے یار کی طرح — ہم بھی نہیں گے بلبلِ غیار کی طرح

آوازِ گنبد اُس سے شکایت عدو کی تھی ناچار چُپ ہیں صورتِ دیوار کی طرح

سونے دیا نہ اُس نے شبِ وصل میں بھی کیا ہم جاگتے ہیں طالعِ بیدار کی طرح

پھرتا ہے بہرِ کشتنِ عشاق کو بہ کو گردش میں ہے وہ چرخِ ستمگار کی طرح

ہوتے ہیں پائمالِ گل اے بادِ نو بہار کس سے اُڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح

ہوتے ہیں قتل غیر اُدھر ہے نگاہِ لطف ارماں ادھر نکلتے ہیں تلوار کی طرح!

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح

بس نازکی ضعف کہ گلگشتِ باغ میں چبھتے ہیں میرے پاؤں میں گل خار کی طرح

دل میں ہوائے بتکدہ ظاہر میں کیا حصول
رہنا حرم میں مومنؔ مکار کی طرح

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

آتا نہیں ہے وہ تو کسی ڈھب سے داؤں میں بنتی نہیں ہے ملنے کی اس کے کوئی طرح

تشبیہ کس سے دوں کہ طرحدار کی مرے سب سے نرالی وضع ہے سب سے نئی طرح

نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اسی طرح

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح!

نے جائے واں بنے ہے نہ بن جائے چین ہے کیا کیجئے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح

معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں کرتا ہے کون ظلم کسی پہ کسی طرح

ہوں جاں بلب بتانِ ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومنؔ اسی طرح

ردیف الخاء

عدو نے دیکھے کہاں اشکِ چشمِ گریاں سرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سرخ

تمہارے دشنہ کا دستِ جفا نے کام کیا
ہے زرد رنگِ گلو حلقۂ گریباں سرخ

زبس فگار ہوئے پاؤں خار و خارا سے
تمام دشت ہے جوں صحنِ گلستاں سرخ

ملی ہیں غیر نے پائے نگار سے آنکھیں
ز رشکِ خوں سے نہیں پنجہ ہائے مژگاں سرخ

گمانِ قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے آج
سیاہ مستیِ مے سے ہے چشمِ جاناں سرخ !!

کرم جو غیر پہ دیکھا لہو اتر آیا !!
نہ پوچھ کیوں تری آنکھیں ہیں بے بنگ ناداں سرخ

نویدِ مرگ انھیں جو ہیں زخمیِ لبِ یار
کہ رنگِ پاں سے ہوئے اور لعلِ خنداں سرخ

نظارۂ رخِ مردم سے کیوں نہ غم ہو کہ تھا
ہمارا رنگ بھی پیش از دردِ ہجراں سرخ

ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تلک
دھلا کے بدلے قبا پر رہیگا داماں سرخ

عنایتِ گریۂ خونی رہا نہ کر مومن
لباس یعنے پہنتے نہیں مسلماں سرخ

ردیفُ الدال

ہم دامِ محبت سے اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائرِ پر بند

یہ مشتِ پرِ سوختہ چھوٹیں گے قفس کو
تو ساتھ ہی کے مجھے صیاد نہ کر بند !

وہ آخرِ شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں
کر اپنی زباں دم کئے ہم اے مرغِ سحر بند

جا سکتے نہیں جاتے ہیں اس کوچہ کو ناصح
حیرت ہے جانیگا عقدہ ہے کیا تو نے اگر بند

شاید کبھی تو نے بھی اُسے خواب میں دیکھا — آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

اے سوزشِ سینہ مجھے وہ سینہ دکھا دے — کھولے تری گرمی سے وہ گھبرا کے مگر بند

کیا حضرتِ مومن کہیں کعبے کو سدھارے

سنسان ہے گھر کس لئے کیوں آج ہے در بند

غربت میں گل کھلائے ہو کیا کیا وطن کی یاد — جیسے قفس میں مرغِ چمن کو چمن کی یاد !

نکلے ہو قبا پہن کے کیا قتل غیر کو — کیا آئی اپنے کشتۂ خونیں کفن کی یاد

از خویش رفتگی ہے غنا کشِ زبانِ حال — دکھلا تنگیِ عدم ہے کہیں اُس دہن کی یاد

تو آب زن نہیں تو کیا جلنے لگا کہے — دشمن کے دل سے جیسے دمِ شعلہ زن کی یاد

اے محتسب نہ توڑیو شیشہ کو دیکھنا — آتی ہے مجھکو سنگدلِ دل شکن کی یاد

تا شکوہ غیر کا نہ کروں تجھ سے کہتے ہیں — کیوں سرگذشت مجھکو بھی ہے کوہکن کی یاد

پھر پیرہن کے بھینچتے ہیں غنچے برنگِ گل — پھر مجھکو آگئی کسی گل پیرہن کی یاد !

ہے کفر و بدعت ایک تمہیں تارِ سبحہ سے

زنار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد !!

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ — کہ بنا ہم کہیں صفحۂ دریا کاغذ

اُسکے کوچے سے چلا آئے ہے اُڑتا کاغذ — پیار کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں کے میرے — کیمیا ایسے سیاہی بنی عنقا کاغذ

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلا دونگا — جانتا ہے وہ مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ!

رنگ اُڑ جائے گا احوال اُسے لکھتا ہے — زردیٔ رخ سے زر افشاں ہی مگر ہوگا کاغذ

وصف لکھوں نہیں تری آنکھوں کا شہود ہونگا اگر — رنگِ گل خامہ رہے اور نرگس تمثیل کا کاغذ!

ضد ہے یہ خط سے مرے تا وہ ہزاروں کھائے — دستِ اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ

یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا — حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

قبر میں چھوٹے عذابِ دلِ بیتاب سے ہم — نام جب لکھ کے ترا سینہ پہ رکھا کاغذ

تو غزل سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رو دیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ

ردیف الرائے

نہ کیونکر بس ہوا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر — وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر

کہاں لختِ جگر میں سیلِ گریہ میں چڑھا دیا — چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہ بہ کر

بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل — ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہ چہ کر

نوید اے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اُسے سہنے — ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر!

لگی ہچکی ہے سر زانوئے غم پر ہے کہ یاد آیا — کسی کا ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ رہ رہ کر

خدا کو مان اپنی راہ لے کعبہ کو جا مومن
صنم خانہ میں کیا لیوے گا اے گم گشتہ رہ رہ کر

لے تند خو آ جا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر — کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

یا وہ ڈبو دیں گا زمیں یا ہم ڈبو دیں گے فلک — آ جائے تو روتے ہیں ہم شرط ابرِ تر سے باندھ کر

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوالِ سوزِ دل اُسے — پر بھیجدوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

ہے سرخ ٹیکا اور خونِ غیر میں رنگا ہوا! — کیا قتل چھپ کر نکلے ہو خنجر کمر سے باندھ کر

آنکھ لگ تو بھی تو کہیں بے دید کیسی ٹکٹکی — بیٹھے ہوئے ہیں روزنِ دیوار و در سے باندھ کر

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سی باندھ کر

دیوانہ نازک ہوں نہیں فصاد مژگاں نیشتر
بے فصد میرے ہاتھ کو تار نظر سی باندھ کر

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اس لیئے یہ زور شور
کیا کیا مضامین لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

جاتے تھے صبح رہ گئے بیتاب دیکھ کر
طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا ! !
حیرت سے رو دیا طرف آب دیکھ کر!

توبہ کہاں کدورت باطن کے ہوش تھے
غش ہو گیا میں رنگ مے ناب دیکھ کر

اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

لوٹے وہ میرے حال پہ حیران کیوں ہوا
آنکھیں ہی کھل گئیں گہر نایاب دیکھ کر

شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر!
سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

یاد اس کی گرمیٔ صحبت دکھاتی ہے بہار
آتش گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار

کوہ و صحرا میں لیئے فرصت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا آنکھیں بھی دیوانہ بناتی ہے بہار

حلقۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار
داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار

آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی
سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار

اک تو مرغ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا
دیکھیئے اب آخر کیا خاک اڑاتی ہے بہار

بوئے گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار

امتیازِ لطف و دلبری میں فرق ہے
تمکو بھاتی ہے خزاں اور ہمکو بھاتی ہے بہار

محو حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبلِ تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار

میری ضد سے غیر پر تیری عنایت دیکھ کر
سبزۂ بیگانہ کے قربان جاتی ہے بہار

ابتدائے فصل ہی میں غیر بھی کھاتے ہیں گل
دیکھئے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار

چشمِ گلشن پر قدم رکھتا ہوا کون آئیگا
عطرِ فتنہ میں گلِ نرگس بساتی ہے بہار

خندۂ دیوانگی یاں بعد مردن بھی رہا!
خاک سے اُگتے ہیں گل اُنکو ہنساتی ہے بہار

غنچہ ہائے آرزوئے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیرِ مقدم گلشنِ ایمان میں آتی ہے بہار!

بیمروت ناتواں ہیں ہمنفس تیرے رقا دیکھ کر
دل ربا میں نے اُسے کیا جانئے کیا دیکھ کر

خواب میں کیا خوش ہوئے یوسفؑ کو زلیخا دیکھکر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھکر

تھی جہنم وہ نگاہِ گرم بھی سوئے عدو
سوجھی اپنی عاقبت کی ہمکو دنیا دیکھ کر

چشمِ نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بیوفا سیرِ گلستاں کیا کریگا دیکھ کر

تاش کا ہمدم کفن لانا کہ بس میں مر گیا
جلوؤں سے جلوۂ خورشید سیما دیکھ کر!

یاد آئے سوئے دشمن اُسکا جانا گرم گرم
پانی پانی ہو گیا میں موجِ دریا دیکھ کر!

اُس کے اٹھتے ہی اندھیرا آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر

کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کیوں ہاتھ سے اُس نے نہ پھوڑا دیکھ کر

میں نہ مانوں گا کہ چشمِ آبلہ بیجھی ہے
یہ نہ دیکھے رونے غیر اپنے کفِ پا دیکھ کر

دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں
لے لیا منہ پھیر وہ یہ حال میرا دیکھ کر

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا جیسے ہجوم!
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اسکو تنہا دیکھ کر

کاٹ لینے دو گلا تم شوق سے گھبرا جائیو — لیک رقصِ نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر
سب ستم ہائے نہاں تھے دل نشیں تھے ناصحو — کیا کہوں میں غش ہوا کیا سو جگر کیا دیکھ کر
جو نقاب اُٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا — کچھ نہ سوجھا عالم اُس پردہ نشیں کا دیکھ کر

کر لیا خاک آپ کو اُس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر

سینہ سے منفعل ہے کھڑا تیر کھینچ کر — اک آہ مر گیا ہے جو نخچیر کھینچ کر!
ہے رنج دستِ غیرتِ بخت سے وصل میں — جی سے خفا ہوں منتِ تقدیر کھینچ کر
بے طاقتی سے اب تو یہ احوال ہے کہ ہم — نالے بھی غش سے رہتے ہیں تا دیر کھینچ کر
میں تشنہ کامِ آبِ شہادت ہوں کاش کہ — وہ کافر آئے سامنے شمشیر کھینچ کر
مژدہ جنوں بہار کا دکھلائے ہے مجھے — چشمِ خیالِ نقشۂ زنجیر کھینچ کر!!
تم آج تک نہ آتے اگر آتے آپ سے — لائی ہے میرے نالے کی تاثیر کھینچ کر!!
بیماریٔ تپِ غمِ ہجراں میں اب کی بار! — یہ ناتواں ہوں مومنِ دل گیر کھینچ کر!
آتا نہیں ہے جز ورقِ سادہ کچھ نظر — بہزاد ڈھونڈھے ہے مری تصویر کھینچ کر

ردیف الراء ہندی

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ — دوزخ میں ڈال خلد کو کوئے بتاں نہ چھوڑ
عاشق تو جانتے ہیں وہ ابلہ یہی سہی — ہر چند بے اثر ہے پر آہ و فغاں نہ چھوڑ!
ناچار دینگے اور کسی خوبرو کو دل!! — اچھا تو اپنی خوئے بد اے بد زباں نہ چھوڑ
زخمی کیا عدو کو تو مرنا محال ہے — قربان جاؤں تیرے مجھے نیم جاں نہ چھوڑ

کچھ کچھ درست منہ سے تری ہو چکے ہیں وہ — یک چند اور کجروی اے آسماں نہ چھوڑ
جس کوچہ میں گذار صبا کا نہ ہو سکے — اے عندلیب اسکے لئے گلستاں نہ چھوڑ

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصالِ حور
مومنؔ عجب بہشت ہے دیرِ مغاں نہ چھوڑ

ردیف الزاء

ہے چشم پوشی پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز — جی سرد ہو گیا ہے ولے دل طپاں ہنوز!
یہ دن دکھائے ہیں شبِ فرقت نے ہمکو اور — وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز
مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کے پر — آیا نہیں زباں پہ دردِ نہاں ہنوز
ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے ولے — کچھ کم نہیں غبارِ دلِ آسماں ہنوز
یاں امتحانِ مرگ سے فارغ ہوئے ہیں یار — واں اپنے ہی پہ مرنے کا ہے امتحاں ہنوز
باغِ جہاں میں گو مہِ خورداد آ گیا — یاں ہے اُسی بہار پہ فصلِ خزاں ہنوز
روزِ جزا از قتل کا انکار کر کہ ہے — دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز
یاں بیا اُنکی چاہ میں مرنا یقیں ہوا! — واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز

مومنؔ تو مدتوں سے ہوئے ہم بقولِ دردؔ
دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز

ہجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز — لطفِ وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز
اے جذبِ دل وہ شوخ ستمگر تو یکطرف — پیغام لیکے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز
جا چک خدا کے واسطے اے موسمِ بہار — خاک عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز

یہ اہتمامِ جور کیا تو نے اے فلک
اندازِ غفلت اُس سے اُڑایا نہیں ہنوز

یکچند اُدھر کا مشقِ غمِ چشمِ التفات
ہیں یار کی نظر میں سمایا نہیں ہنوز

واعظ ہمارے سامنے کرتا ہے وصفِ حور
سمجھا ہے اُس نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

کیونکہ مجھے گناہِ زلیخا یقین آئے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

ایسے ستم کئے کہ مرا جی بٹھا دیا ! !
ہر چند سر فلک نے اُٹھایا نہیں ہنوز

ناصح رقیب سے ہے بد آموز تر کہیں
پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں ہنوز

اب کی وفورِ عشقِ صنم میں ہے گفتگو!
مومنؔ وہ لب پہ ہائے خدایا نہیں ہنوز

لب پہ دم آیا نے نالہ نہیں ہے ہنوز
نغمۂ غم بھی ترا پردہ نشیں ہے ہنوز

لیجئے دل و عقل و دیں پھر بھی ہے بیمارِ عشق
اے اجل آ جلد کہیں جانِ حزیں ہے ہنوز

ہر دو حیران میں کیا شب پڑا دیکھنا
عکسِ خود آرا ترا آئینہ بیں ہے ہنوز

کیوں نہیں لاتا ہے آہ میری یاد ہے
کہہ دو فلک سے دم بازپسیں ہے ہنوز

وہ دل و گرد و غم کیوں یہ امیدِ اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز

جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھے ہیں بد تمیز
چیں بجبیں کیوں نہ ہوں فرش میں چیں ہے ہنوز

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکلِ خدا
حضرت مومنؔ تمھیں دعوئ دیں ہے ہنوز

ردیف السین

یوں ہے شعاعِ داغِ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہِ کامل کے آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آ گیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

یہ غیرتِ وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس — بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس
کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لیے — ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس
مر جائیں تا خوشی سے عدو شبِ وصال کی — یارو دعا کرو نکلے مل مل کے آس پاس
کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے — پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس
ہے تو ہی بےوفا نہیں باور تو دیکھ لے — گل جامہ در رہیں گو رعنا دل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم میں سے مومن بھر کہ ہے تو!
کعبے کے آس پاس تو ہیں دل کے آس پاس

کھا گیا جی غمِ نہاں افسوس — گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس
میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا! — جی گیا یوں ہی رائیگاں افسوس
مرتے ہم غیر تجھ سے چھٹے نہ کیا — تو نے الفت کا امتحاں افسوس
گلِ داغِ جنوں کھلے بھی نہ تھے — آ گئی باغ میں خزاں افسوس
بےوفائی ہوئی وفا کے سبب — غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس
مرگ پر اپنے ناتواں کے ترے — دل سے آیا نہ تا زباں افسوس
موت بھی ہو گئی ہے پردہ نشیں — راز رہتا نہیں نہاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مر گیا کیا ہی نوجواں افسوس

ردیف الشین

کل دیکھ کے وہ عذار آتش! — کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش
پھونکا تبِ غم نے جی کو نکلے — دل کے ترے اب بخار آتش

ہاں سیر دکھائے گا کہیں تو ! اے نالۂ شعلہ بار آتش !
دل کو مرے پوج گبر سے حسن کر سجدے کرے بار بار آتش
تونے تو وہاں لگائی مہندی ! یاں دل میں لگی نگار آتش !
مت آئیو میری خاک پر تو برسے ہے سرِ مزار آتش
میں آہِ زبان کش جو کھینچوں باندھے ہے ابھی حصار آتش
دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں اے دیدۂ اشکبار آتش !

پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن !
لگ اٹھتی ایک بار آتش ! !

کہاں نیند تجھ بن مگر آئے غش تو یک صورتِ خواب دکھلائے غش
تمہاری کدورت سے غش آگیا کیا بوئے گل نے مداوائے غش
نہ ٹھہرے بس آئینہ کو دیکھ کر ! وہ اتنا کہ دیکھے تماشائے غش !
قیامت جنوں میں ہوں نازک دماغ نہ کیوں نکہتِ گل سے آجائے غش
ترے بال لاکر سونگھا دے کہیں کہ غش ہوگئے، چارہ فرمائے غش
نہ ہو جب کہ میرا خیالِ وفات تو کیا اس ستمگر کو پروائے غش
خبر دوسری تم کہاں سنکر رہے یہ حالت کہ غش پہ چلا آئے غش

خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو !
گر اس بت کو دیکھے تو ہوجائے غش

ردیف الصّاد

روز ہوتا ہے بیاں غیر سے اپنا اخلاص چشمِ بد دور تمہیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص

غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمہارا اخلاص

ہم یہاں سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل
اور پڑھتا ہے وہاں غیر سے اُسکا اخلاص

مجھ سے مل پر نہ رقیبوں سے میں سب کہہ دونگا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

اُس ستمگر نے بناوٹ کی لگاوٹ بھی نہ کی
ہائے قسمت مری کچھ کام نہ آیا اخلاص

پسِ قتل تیری خاطر سے ٹھہرجانا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص

اب اُنھیں لکھتے ہیں ہم خط ہیں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص

موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے اب تک
سچ تو یہ ہے کہ بُرے وقت میں کیسا اخلاص

مومن اُس زہدِ ریائی سے بھی کیا بدتر ہے
اُس بتِ دشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص

ردیف الضاد

بے صبر کو کہاں تپِ داغِ جگر سے فیض
گل چیں کو کب ہوا شجرِ باردر سے فیض

زاہد نگاہ پھیر کے وہ بے دید دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجرِ بے ثمر سے فیض

ہے چرخ سے امیدِ کشائش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک ہی ہیں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض

ترسا صنم پہ مر گئے ہم آہ جب ہوا
جاری مسیح کے لبِ اعجاز اثر سے فیض

تصویر سے تری مجھے تسکینِ دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آبِ گہر سے فیض

کیوں کر نہ غم ہوں خلق کو مومن کی مرگ کا
تھا سب کو اُس کی ذاتِ سراپا ہنر سے فیض

ہاں ہاں کہا سچ بوئے زلفِ دوتا قرض
جان اتنو نہیں حشر کے دن دینگے صبا قرض

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دمِ قتل
دکھلا نہ ادھر تو نے رہا خونِ بہا قرض

کیونکر دے فلک دامِ عدد کو درم داغ!
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

گر کہیئے کہ کیوں لیتے ہو تم دل کو تو وہ شوخ
کس ناز سے کہتا ہے کہ یوں دیتی ہو یا قرض،

افلاس سے کھایا کیئے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہمکو نہ ملا قرض!

گن گن کے دیئے داغ فلک نے مجھے گویا
آتا تھا یہ اُس پر زرِ نایاب مرا قرض

آمد سے فزوں خرچ ہے اے شورِ محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیونکر ہو ادا قرض

ہم قرض یہ نقدِ دل اُسے دیتے ہیں مومن!
جس نے نہ کبھی آج فلک لے کے دیا قرض

ردیفُ الطاء

غم کو ہم سے ربط ہے مدت سے ہم کو غم سے ربط
ہم اسی سے ربط رکھتے ہیں جو رکھے ہم سے ربط

اُف رے سوزِ گریۂ غم تیری دولت سے مدام
دامنِ دوزخ کو ہے مژگانِ چشمِ نم سے ربط

اس دلِ صد چاک کو کیونکر نہ ہووے پیچ و تاب
شانہ رکھتا ہے کسی کے کاکلِ برہم سے ربط

دل سے پیوستہ ہیں یوں داغِ غمِ ہجراں مرے
جس طرح ہووے نگیں کو خانۂ خاتم سے ربط

ہائے رشکِ شمع و گل تو ہو گریزاں مجھ سے در
شمع کو پروانے سے ہو گل کو ہو شبنم سے ربط

ہم مزاجی دردی کا ہے سبب کیا ہے عجب
گر رکھے تیغِ جفا اس ابروئے خوش خم سے ربط

اسطرح کو کبھی ہے میلانِ طبیعت ان دنوں
بعد مدت انکو اب آ چلا ہے ہم سے ربط

میں تو دیوانہ ہوں مومن کا کہ ہے اس شخص کو
اس قدر وحشی مزاجی پر بھی اک عالم سے ربط

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اس بحثِ صحیح کی تکرار ہے غلط

کہنا پڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصلِ غیر کا انکار ہے غلط

کرتے ہیں مجھ سے دعویٔ الفت وہ کیا کریں
کیوں کر کہیں مقولۂ اغیار ہے غلط

یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیرِ نالہ ہائے شرربار ہے غلط !

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اس طرح
گویا کہ قولِ محرمِ اسرار ہے غلط

اٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اٹھائیگا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط

تھا ربط غیر میں مرے مرنے کا انتظار
ہے شوخ بے وفا تو وفادار ہے غلط

ہے حرف کامیابیٔ دشمن میں ہمنشیں
مت کہہ درست وہم غلط کار ہے غلط

سچ تو یہ ہے کہ اُس بتِ کافر کے دور میں
لاف و گزافِ مومنِ دیندار ہے غلط

ردیف الظاء

ہاں تو کیونکر نہ کرے ترکِ بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

اب ذرا سننے دے تو کوئے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغِ جناں اے واعظ

سچ ہے کافر تری تقریر سے کیونکر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ

حور کی مدح میں کیا ترکِ صنم کا مذکور
یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

ڈر مری آہ سے ظالم نہ جلا دے کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ

اہلِ جنت سے کرو دلبریٔ حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ

جو ملیں تجھ سے بصد شوق وہ کیا ہونگی منکر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

کیا آرام پسِ مرگ مگر کافر تو
اہلِ اسلام کا ہے دشمنِ جاں اے واعظ

شرم کی بات نہیں ہے یہ اثر ہو کیونکر!
نہ میں ہو مومن ہوں نہ تو پیرِ مغاں اے واعظ

لوگ کیا جانیں ہیں سوزِ شمع وپروانے کا حظ — کوئی پوچھے مرے دل سے ہائے جل جانے کا حظ
سامنے آتے ہی ہو جاتا نہاں کس واسطے — چھیڑنے کا ہے حاصل تم کو ترسانے کا حظ
گر سنیو گا ہے نوائے دلخراشِ عاشقاں — بھول جاتیں آپ لئے تت راگ کی گانے کا حظ
ڈوب جاتا زہر کھاتا جان دیتا ہر طرح — خضر کو ہوتا اگر معلوم مر جانے کا حظ
چکھتے ہیں سوزِ محبت کا مزا لذت نصیب — تجھے اے ناصح کہی کیا کوئی غم کھانے کا حظ
ہم نہ کہتے تھے وہ ہنسکر ادھر چھڑکے گا نمک — کیوں دلِ مجروح دیکھا زخم دکھلانے کا حظ
جذبِ دل تو جانتا ناصح نہیں کس سے کہوں — فائدہ ہر دم کی بیتابی کا گھبرانے کا حظ

مومن بے دین کب چلتا ہے طوف کعبہ کو
پڑ گیا ہے اس کو زاہد طوفِ بتخانے کا حظ

ردیف العین

کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغانِ شمع — اک برق تھی جو لال ہوتی زبانِ شمع
دل گرمیٔ فریب سے بھی میں نثار ہوں — پروانہ کیا مجال کرے امتحانِ شمع!
آتا ہے بیکسوں پہ تو جلا دکو بھی رحم! — روتی ہے شمع آپ سرِ کشتگانِ شمع!
مجھ بیگنہ کے قتل میں کیوں سچ دیکھ لے — بن بولے لوگ کہتے ہیں قطع زبانِ شمع!
ہے تار گریہ تارِ نفس اہلِ سوز کا! — یعنے رواں شمع ہے اشکِ روانِ شمع
سب گرمیٔ نفس کی اعضا گدازیاں — دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زیانِ شمع!
اُس کو بھی کوئی پردہ نشیں ہی جلائے ہے — فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع

اک اور پڑھ دو مومنِ شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسانِ شمع

محفل فروز تھی تپِ تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں راز دانِ شمع

تھا شب چراغِ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک جی بسانِ شمع

اے سوزِ گریہ آگئے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع

صحبت میں ایک رات کی کیا خو ہو گئی !
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشانِ شمع

پہنچے تری نزاکت و گرمی کو کیا مجال
ہر چند موم جسم ہے اور شعلہ جانِ شمع

ہوائے بدگمانیٔ دل بسکہ یار پر !!
پروانہ کو ہے سادہ دلی سے گمانِ شمع

گر دیکھ لے رخِ عرق آلودہ کو ترے
گھل جائے سوزِ رشک سے تا استخوانِ شمع

اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمیں کی جانب دخانِ شمع

لائیں نہ تابِ حرفِ بتاں کافرانِ عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع

ردیف الغین

مت کہہ شبِ وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر چراغ

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلۂ زخمِ جگر چراغ

زلفیں اٹھا دو رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہاں میں وقتِ سحر چراغ

اس مہ وش کے جلوہ کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانہ کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ

ہم پیشہ کے ہے سامنے عرضِ ہنر ضرور
جلتا ہے میرے گھر میں طرف دگر چراغ !

کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
ہے داغ بوالہوس تری محفل میں ہر چراغ

غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز — جلتے ہیں یعنی چاہیئے آٹھوں پہر چراغ

ہے شام انتظار تماشائے سوختن — جلتے ہیں تا بصبح ادھر ہم ادھر چراغ

اس شعلہ رو نے تاکہ پس مرگ بھی جلوں — جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ!

مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیشِ آفتاب ہو بے نور ہر چراغ!

گلشن میں لالہ سے یوں کہو دل میں جائے داغ — اپنے تو دلنشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ

کیا ڈھونڈ دیکھیے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ — زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

کرتا ہے سخت ناخنِ غم روز خراشیاں — دل کو کسی کے چہرے کے چیچک کے بجائے داغ

اس رشکِ مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا — اے چشم اشکبار کہیں یہ نہ جائے داغ

چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اس نے غیر کا — سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھائے داغ

دیکھو تو مہر مہر ہی چرخ اس سے گرم ہو — واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ

دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا ز بسکہ میں — خو کردہ تھا یہ تا بہ تپ شعلہ ہائے داغ

وہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ گئے یاں — پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ

جلتا ہوں اہلِ نار کی تبدیلِ جلد سے
مومن غضب ہے آتشِ لذت فزائے داغ

ردیف الفاء

مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف — دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں! — تکتے نہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف

وہم فغانِ غیر نے سینہ جلا دیا! — آتش لگی تھی کوچۂ دلدار کی طرف

شامِ فراق خوابِ عدم کا ہے انتظار — آنکھیں لگی ہیں دولتِ بیدار کی طرف

اُس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا — گُل پھینکے عندلیبِ گرفتار کی طرف

دیکھا اشکِ لالہ گونِ رقیب اُس نے ہنس دیا — دیکھا نہ میرے دیدۂ خونبار کی طرف!

گلبانگ نالہ ہے یہ نیا گُل کھلا سکا!! — گذری نسیمِ آہ چمنِ زار کی طرف

اب رشکِ زخمِ یار پہ منصف کریں کسے — کی آنکھ موت نے بھی تو اغیار کی طرف

دل بعدِ قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں — مُنہ پھر گیا ہے کوئے ستمگار کی طرف

کافر گلے لگا ہے تو مومن سے مت ملو

دیکھ اپنے نقشِ رشتۂ زنّار کی طرف

(ردیف القاف)

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق — یہ قلق ہے کیسا کہ تھم گئی جان پر نہ گیا قلق

کسی کے خرام کی یاد میں تہِ خاک بھی یہ رہا قلق — کہ زمیں کو زلزلہ آ گیا ہے جو لوٹتا مجھکو ذرا قلق

تپِ ہجر ہے حالتِ جانکنی نہ غم ہوا تو جان پر آ بنی — یہ عذاب کس کے ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

شبِ ہجر روزِ وصال کی کوئی شی خیال جو تو میں ہیں — کہو کیا تغیرِ حالِ دل کبھی تھا سکون کبھی تھا قلق

غمِ ہجرِ یار کے ہاتھ سے شب و روز ہوں میں عذاب میں — ہے ہمیشہ ایک ہی تپش ہے مدام ایک نیا قلق

شبِ وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کشمکش یہ ستم ہوا — کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھا قلق!

کہا جان بلب ہے جو آ گئی تری زندگی ہو تو یوں کہا — ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق

یہی دین اگر ہے تو چھوڑ دو طرف اُس صنم کے نہ رُخ کرو

جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثالِ قبلہ نما قلق

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق — سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق

اثرِ غم ذرا بتا دینا ! ! | وہ بہت پُوچھتے ہیں کیا ہے عشق
آفتِ جاں ہے کوئی پردہ نشین | کہ مرے دل میں آچھپا ہے عشق
بوالہوس اور لافِ جانبازی ! | کھیل ہی کیا سمجھ لیا ہے عشق !
دیکھ میں، احتمالِ شادئ مرگ | چارہ گرِ دردِ بے دوا ہے عشق
سوجھے کیوں کر فریبِ دلداری | دشمن آشنا نما ہے عشق
کس ملاحت سرشت کو چاہا | تلخ کامی پہ بامزا ہے عشق !
ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنے ! | دلربا حُسن و جاں رُبا ہے عشق
دیکھو حالت مری کہیں کافر | نام دوزخ کا کیوں دھرا ہے عشق
دیکھیے کس جگہ ڈبو دے گا | میری کشتی کا ناخدا ہے عشق
اب تو دل عشق کا مزا چکھا | ہم نہ کہتے تھے کیوں بُرا ہے عشق
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے | باوفا حسن و بے وفا ہے عشق
میں وہ مجنوں وحشت آرا ہوں ! | نام سے میرے بھاگتا ہے عشق

قیس و فرہاد و وامق و مومنؔ
مر گئے سب ہی کیا وبا ہے عشق !

ردیف الکاف

امتحاں کے لئے جفا کب تک | التفاتِ ستم نما کب تک
غیر سے بیوفا پہ تم تو کہو ! | ہے ارادہ نباہ کا کب تک
حسرتِ دل معلوم ہے زلیخا کا | طعنۂ دستِ نارسا کب تک
مجھ پہ عاشق نہیں ہے کچھ ظالم | صبر آخر کرے وفا کب تک

دیکھیے خاک میں ملاتی ہے / نگہِ چشمِ سرمہ سا کب تک

نہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو! / جانبِ غیر دیکھنا کب تک

وہ بلائیں گے وہ نہ آئیں گے / جوشِ لبیکِ مرحبا کب تک

ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں / غفلتِ حرارت آزما کب تک

لے شبِ وصلِ غیر بھی کاٹی / تو مجھے آزمائے گا کب تک

تم کو جو ہو گئی بُرائی کی! / درگذر کیجیے بھلا کب تک!

مر چکے اب تو اُس صنم سے ملیں
مومنؔ اندیشۂ خدا کب تک

ہم ہیں نزع شبِ ہجر میں جاں مرنے تک / صبر آتا ہے کوئی تاب و تواں ہونے تک

آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں ہے اہلِ جہاں / کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک

اس چمن زار کا حسرت سے نظارہ کر لے / اے نگہ دیدۂ ہر سو نگراں ہونے تک

کون جیتا ہے نگاہوں میں سبک ہوتے کو / سخت جانی ہے ترے دل پہ گراں ہونے تک

ہائے شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آ جاوے / کچھ نہ کچھ فائدہ ہے جی کو زیاں ہونے تک

غم دو غم سے ہے خلقت مری جوں طفلِ سرشک / نہیں کمنے کی دنا ہم جواں ہونے تک

ضد ہوئی محتسب و پیرِ مغاں میں مومنؔ
عید ہر روز ہے اب کی رمضاں ہونے تک

کیونکر نہ چھوڑ دوں گو کیجیے چاک جیب جاں تک / ہاتھ پہنچا نہ تیرا اس شوخ کے داماں تک

اول لذتِ یار شبِ وصل ہی میں ہو وصال / ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمدِ ہجراں تک

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پہ آ گئی / حال پہنچا یاں تک اور تم نہ آئے یار تا لب

کل کا جلا بھوتا ہر گز نہیں اے اضطراب   آج پھر تیجا ہے کسی ڈھب سے مجھے تر داں تلک
گر مثل سچ ہے کوئی کیسے پاس پایا آئے ہے   کیوں نہ آ پہونچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک
نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا   ہے زمیں سے روشنی افلاکِ نور افشاں تلک

شوقِ بزمِ احمد و ذوقِ شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہونچ اس مہدیِ دوراں تلک

ترے دردِ ہجر میں کب تلک پڑے تڑپیں آٹھ پہر تلک
دمِ صبح سے سرِ شب تلک سرِ شب سے لے کے سحر تلک

مرے جینے سے جو تو ہے غمیں تو لگا یہ شوق سے تیغ کیں
کہ عزیز تجھ سے تو جاں نہیں نہ دریغ تجھ سے ہے سر تلک

زہے دشتِ عشق کہ آہ یاں ہوئے کیسے لوگ تباہ یاں
یہ عجب ہے جائے کہ راہ یاں سبھی بھولتے ہیں خضر تلک

مرے نالہ پہ تو ہنسے ہے کیا اسی سے بر آئے گا مدعا
کہ تو دیکھنا جو پہونچ گیا کسی روز گوشِ اثر تلک !

دمِ گریہ کس لیے پاس تھی سنی کس سے پھر خبرِ خوشی
مری جان کس لیے پھر گئی ابھی آ کے دیدۂ تر تلک

نہ خیال سیرِ ارم کبھو نہ بہشت کی ہمیں جستجو !
یہی ہے ہوس یہی آرزو کہ گزر ہو ترے در تلک

مرے حال کی اسے کیا خبر کہ وہ رحم کھائے ہو چارہ گر !!
کوئی نامہ بر نہ پیام ہے کہ وہ جائے یار کے گھر تلک

مرا نامہ دے اسے یہ کہے کہ ذرا تو جا کے خبر تو لے!
کہ ترا مریض ہر آن سے ہے کچھ اور آنِ دگر تلک

کبھی تکیہ سے نہ اٹھانا سر پڑے رہنا بے خود و بے خبر
کبھی ہوش ہے کوئی دم اگر تو غشی ہے دو دو پہر تلک!

شبِ ہجر غم سے ہے جاں بلب نہ تنگ ہم سے ہو مومن اب
کہیں میہماں ترے شب کی شب نہیں رہتے آج سحر تلک

ردیف الکاف فارسی

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ — ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ
دفورِ اشک و طغیانِ فغاں ہے — کدھر جاؤں اُدھر پانی اِدھر آگ
سمندر کر دیا آتش رخوں نے — کہ گر پڑتا ہوں آتے ہی نظر آگ
جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو! — ترے گھر میں لگے اے بے خبر آگ
نچوڑ دیں گے ہم اپنا دامنِ تر — جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ
دہاں تابِ رخ و یاں آتشِ دل — جدھر دیکھو اُدھر ہے جلوہ گر آگ
جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری — دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ
وہ بس غیروں سے ہے وہ گرم صحبت — مرا جلتا ہے جی آیا دیکھ کر آگ
دھواں اٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ — بجھا دی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ
نکالا رنگِ عالم سوز کس نے — یہ کیوں بھڑکی پڑی ہے در بدر آگ

پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ

ردیف اللام

مجھ پر بھی تجکو رحم نہیں یہ کہ سخت دل　　کم ہوئیگا جہان میں تجھ سا کبھی سخت دل
داغِ جنون و سنگِ درِ یار ہو نصیب　　کرتا ہے رات دن ہوسِ تاج و تخت دل
گر جانے کہ ہے شبِ ہجراں یہ کچھ بلا　　دیوے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل

کیا شبہ مومن آہن و قمری کے کفر میں
کرتے ہیں نذرِ جلوۂ سنگ و درخت دل

مردِ عشوۂ ستیزہ کار ہے دل !　　ملک الموت سے دوچار ہے دل
بسکہ مشتاقِ نازِ یار ہے دل　　ستم آموزِ روزگار ہے دل !
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے　　کیا خبر تھی انھیں نگار ہے دل !
وصلِ جاناں کہاں سوائے خیال　　ہم ہیں یا اس اُمیدوار ہے دل !
دیکھ افراطِ زخم و کثرتِ داغ　　سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل
بس کہ تھے ہمرہاں گلی میں تری !　　دل سے میں تجھ سے شرمسار ہے دل
بے دوا اور داد بیوفا ہے وہ شوخ　　بے اثر آہ و بے قرار ہے دل !
تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ　　غیرتِ زلفِ تابدار ہے دل
کیا کہوں میں ہجومِ یاس و اُمید　　رشکِ ہنگامِ انتظار ہے دل

شبِ ہجراں کو سمجھا روزِ جزا
مومن ایسا سیاہ کار ہے دل !

کیا کروں کیونکر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی ہے اس سے جس پہ آجاتا ہے دل

یا الٰہی مجھکو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

حیرتِ دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل

کوئی سنتا ہی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کیسا تھا ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل

مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے دل

وہ ستمگر دلبر عالم ادھر آتا ہے آپ
کیا بنے گا دیکھیے رہتا ہے یا جاتا ہے دل

ہاتھ اٹھائے کس کے دل ہی کس کے سینے پر دھرے
ہاتھ سے اپنے ابھی تو چلا جاتا ہے دل

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن مدام
کیا کروں بتخانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

رَدیفُ المیم

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردش ایام ہم

شب ہے تجھ بن زیست بے چین دن بے آرام ہم
صبح ہم رویا کیے لے لے کے تیرا نام ہم!

یار دشمن نے ستایا جبکہ ہم عاشق ہوئے
ہے گنہ اپنا ہی پھر دیویں کسے الزام ہم!

آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر بیٹھے پڑے تکتے ہیں سوئے بام ہم

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

اس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے امیدِ وفا
ایسے سودائی نہیں اے شوخِ لیلیٰ فام ہم

آئنہ کا بوسہ لے تو عکسِ لب کو دیکھ کر
اور بس جائیں یونہی ناکام اے خودکام ہم!

گر ترے کوچے کو دی کعبہ سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمنِ اسلام ہم!

سرمہ ہیں اُس چشمِ جادو فن میں ہم — خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم
ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثلِ خار — خود اُلجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے — دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم
پھولے جامہ میں سماتے ہی نہیں — وصلِ شوخِ چست پیراہن میں ہم !
اور شبنم دن کو ٹھہرے کیا مجال ! — روئے ہیں اے مہروش گلشن میں ہم
کر دیا اُس جلوہ نے مجنوں چلو ! — خاک اُڑائیں وادیِ ایمن میں ہم
دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال — جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم
جوشِ وحشت نے اٹھایا لاش کو — اپنے پاؤں سے گئے مدفن میں ہم

توڑنا مومن نہ پیمانِ الست
ہیں مسلّم عاشقی کے فن میں ہم

پاتے تھے چین کب غمِ دوری سے گھر میں ہم — راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم
اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت — ہوتے جو پائمال کسی رہ گزر میں ہم !
تھیں دشت سے زیادہ تر اس کو میں سختیاں — کیا پھوڑتے ہیں سر تصورِ دیوار و در میں ہم !
ہے یاد رطب و یابسِ تقریرِ ناصحاں — کیا بولیں شکوۂ سفرِ بحر و بر میں ہم
اُس گل کے غم میں پھولتے پھلتے تو رشک سے — کیوں جلتے سایۂ شجرِ بارور میں ہم ! !
دلّی سے رامپور میں لایا جنوں کا جوش — ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم
جانیں اثر جب اے رقمِ جذبِ اشتیاق — دیکھیں زمامِ ناقہ کفِ نامہ بر میں ہم

وصلِ بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

غمِ ابرو میں بھرتے ہیں دمِ شمشیر اکثر ہم ! کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم

کہاں کھینچے پردہ اور ہم خجل ہیں سخت جانی سے وہ دل توڑے ہے اپنا اور اُس کے تیر اکثر ہم

حسیں کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا! کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم

ہوئے تم یوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب کیا کرتے تھے یہ تو پہلے بھی تقصیر اکثر ہم

لگی آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ سے جلا دیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

وہاں چھپنا گئے لگنا کہ شوقِ ہمکناری میں! لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم

عجب حالت ہے سودے میں تری زلفِ مسلسل کے کہ سر سے باندھتے ہیں پاؤں کی زنجیر اکثر ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا کیا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بُت رام ہو جاتا
گئے مومن فسوں پڑھنے پئے تسخیر اکثر ہم

کب چھوڑتے ہیں اُس ستم ایجاد کے قدم سر ہے ہمارا اور ہیں جلاد کے قدم

کیا ٹھہرے فوجِ غم کے مقابل فغان و آہ جمتے نہیں ہیں لشکرِ برباد کے قدم

اب تک گیا نہ باغ میں تو بہرِ انتظار سُن ہو گئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم

اے جانِ باغ رہا ہوں پہ کیا کروں! اُٹھتا نہیں ہے کوچہ سے صیاد کے قدم

تلوار لے کے گھر سے جو نکلا وہ جنگ جو! تاثیر نے لیے مری فریاد کے قدم

خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم

کیا لوٹے دل پہ ہاتھ دھرے سے مگر رکھے سینے پہ وہ ہی عاشقِ ناشاد کے قدم

پامال جہل حضرتِ مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے اُستاد کے قدم!

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم — پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم — منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا! — انصاف کیجیے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے! — شاید شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم!

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا!! — لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم!

بے روئے مثلِ ابر نہ نکلا غبارِ دل — کہتے تھے اُن کو برقِ تبسم ہنسی سے ہم

ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خارِ راہِ غیر — کیونکر نکالے جاتے نہ اس کی گلی سے ہم!

منہ دیکھنے سے پہلے بھی کس دن وہ صاف تھے — بے وجہ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم!

ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے — ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

وحشت ہے عشقِ پردہ نشیں میں دمِ بکا — منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشمِ پری سے ہم

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں!!

مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم — تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہاتھوں میں اُس دلربا کے دل دیتے — تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم

اگر دام میں زلفِ سیہ کے آ جاتے — تو یوں خوابِ پریشان بیاں کرتے ہم

اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے — تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم

نہ جانتے اُس بتِ ہرجائی کی گلی میں اگر — تو دوڑے دوڑے قلق سے پھرا نہ کرتے ہم

اُس آفتِ دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے — تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم

نہ بھرتے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا — تو ٹھنڈی سانس ہمیشہ بھرا نہ کرتے ہم

اگر نہ انکو تغافل شعار سے لگتی ! تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اٹھا نہ کرتے ہم

نہ ہوش کھوتے اگر اس پری کی باتوں پر تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہنسنا ہنسانا کسی کا بھا جاتا ! تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم

نہ لگتی آنکھ تو دن رات سمجھتے ہی سہتے کسی کی چاہ نہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم !

اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت وہ تو ایک ایک کے منہ کو تکا نہ کرتے ہم !

جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ صبح کو ہے ہے خدا نہ کرتے ہم

الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم ! کرتے ہیں اس پہ ناز ادا دانیوں میں ہم

ثابت ہے جرم شکوہ نہ ظاہر گناہ رشک حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

مارے خوشی کے مر گئے صبح شب فراق کتنے سبک ہوئے ہیں گرانجانیوں میں ہم !

آلجھے ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم !

دیکھا ادھر کو تو نے کہ بس دم نکل گیا اترے نظر سے اپنی نگہبانیوں میں ہم

اب قید سے امید رہائی نہیں رہی ہمدرد پاسباں ہیں زندانیوں میں ہم

آہوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا ! ہیں اشک ریز یار فسوں خوانیوں میں ہم

وہ صید ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پر اچھلے نہ آب تیغ کی طغیانیوں میں ہم !

محصور اس قدر ہیں ترے وحشیوں سے دشت گنتے ہیں شہریوں کو بیابانیوں میں ہم

پیش نظر ہے کس کا رخ آئینہ گداز لوٹتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم

مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

دل آگ ہے اور لگاتیں گے ہم — کیا جانے کیسے جلاتیں گے ہم!

وادی میں جو اپنے آتیں گے ہم — کیا قیس کی خاک اڑاتیں گے ہم

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی — پھر کس کو گلے لگاتیں گے ہم

گر غیر سے ہے یہ رنگِ صحبت — تو اور ہی رنگ لائیں گے ہم

قسمت، عدو، اجل، فلک، دل — کیں کس کے ستم اٹھائیں گے ہم

اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے — پھر دل کبھی یونہی چھپاتیں گے ہم

بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام! — حالِ دل اسے جتاتیں گے ہم!

مت لال کر آنکھ اشکِ خوں پر — دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم!

دشمن کے کہے سے روٹھتا ہے — وہ ہی کہے تو مناتیں گے ہم۔

ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے — مت جاؤ کہ جی سے جاتیں گے ہم

دم دیتے تو ہو پہ یہ سمجھ لو — دشمن کی قسم دلاتیں گے ہم!

کیوں غش ہوئے دیکھ آئینہ کو — کہتے تھے کہ تاب لاتیں گے ہم

دزدیدہ نظر ہے کیوں دمِ قتل — کیا مرنے سے جی چرائیں گے ہم

گر ہے دلِ غیر نقشِ تسخیر — تو تیرے لئے جلائیں گے ہم

آئینہ زنگِ غم نے توڑا — کیونکر اسے منہ دکھاتیں گے ہم

کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ — اپنی گردن جھکاتیں گے ہم

کہہ اور غزل بطرزِ سوختہ

مومن یہ اسے سناتیں گے ہم

اب اور اسے کو لگاتیں گے ہم — جوں شمع تجھے جلاتیں گے ہم

برباد نہ جائے گی کدورت — کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم
سر در عدو پہ رکھ کے بیٹھے — جانا نہ کہ سر اٹھائیں گے ہم
بگڑے لڑکے یہاں گئے اور سے صلح — تجھ پر کبھی بری بنائیں گے ہم
دل دے کے اک اور لالہ رو کو — ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم
لب کا ترے دعوئے مسیحی — مر ادر پہ آزمائیں گے ہم!
گر تیری طرف کو بیقراری — کھینچے گی تو لوٹ جائیں گے ہم
گر دیکھ کے ہنس دیا ہمیں تو — منہ پھیر کے مسکرائیں گے ہم
کیا ذکر ہے ہونٹ چبانے کا — کچھ اور مزہ چکھائیں گے ہم
پھر تیری ہوا کا دم بھرا تو — جی ہی کو ہوا بنائیں گے ہم
گر خواب میں آن کر جگایا — سوتے مردے جگائیں گے ہم
آتا ہے گلے سے دھیان ترے — خاطر میں ستم نہ لائیں گے ہم!

بت خانہ جیسے ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

ردیف نون

صفحۂ جیحوں پہ جو کبھی ہم سوزش دل لکھواتے ہیں — سائے حباب لب دریا تبخالے سے بنجاتے ہیں
پھرتے ہیں سو دسو سے جی بد دل میں سودے آتے ہیں — کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑی سکھاتے ہیں
آب و ہوائے ملک محبت راس نہیں ہے ہم کو تو — ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں
کس کی خبر آنکھوں کی ہے کس لیتے ہے یہ بیتابی — کس لیتے ہم ہیں ہر دم بھرتے آتے ہیں اور جاتے ہیں
شکوہ کیا بیداد کریگا کہیے اس سے دیکھو تو — دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخم جگر دکھلاتے ہیں

تنا غلام لکھے غیرت تو ہے گلہ کیا لکھیے اب
چھیڑ تو دیکھو میرا خط وہ غیروں سے پڑھواتے ہیں

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہو دے سمجھ تو سمجھیں بات
یہ تو سمجھیے حضرتِ ناصح آپ کسے سمجھاتے ہیں

کنجِ قفس میں بیٹھ کے گاہے روتے ہیں تنہائی پہ ہم
یادِ ہوئے موسمِ گل سے گاہے جی بہلاتے ہیں!

کرتے ہیں آوازِ زنجیری دیتے نہیں سنگ سو بار
گھر میں پتھر پھینکے ہیں زنجیرِ در کھٹکاتے ہیں

کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانا اور ملا!
حضرتِ مومن اب تمھیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

عشق نے یہ کیا خراب ہمیں
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں

بسکہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں
موت سے آئے ہے حجاب ہمیں

کیسی غیرت سے اے سبک روحی
دیکھے ہے دیدۂ حباب ہمیں

شبِ فرقت میں خاک جھپکے آنکھ
یاد ہے چشمِ نیم خواب ہمیں

وہ جفاکش ہیں اے فلک کہ کیا
اُس ستمگر نے انتخاب ہمیں

دم رُکے ہے بہشت میں تو کوئی
اُس کے گھر لے چلو شتاب ہمیں

غیر سے ہے وہ گرمِ صحبت ہائے
کیوں نہ غیرت کرے کباب ہمیں

کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں!

غیر کے واسطے نہ ہو بیتاب
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں

اب کوئی کیا کرے علاج افسوس
موت نے بھی دیا جواب ہمیں

اے تبِ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

لاش پہ آنے کی شہرت شبِ غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں

کر دیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب   داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں
مر گئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب   خطِ ترسائی پہ اعجاز رقم دیتے ہیں
دم نہ لے اے اثرِ آہ کہ معلوم ہوا   جس پہ دم دیتے تھے ہم وہ نہیں دم دیتے ہیں
کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں ہیلہ   بد دعائیں تری چلمن کو جو ہم دیتے ہیں
لذتِ جورکشی نے مجھے شرمندہ کیا   طعنے کیا کیا اُسے اربابِ ستم دیتے ہیں
مدعا یہ ہے کہ غیرت سے یہیں سم کھا جاؤں   اسلیے غیر کو وہ اپنی قسم دیتے ہیں
اہلِ بازارِ محبت کا بھی کیا سودا ہے   عشرتِ عمرِ ابد قیمتِ غم دیتے ہیں

کعبہ کا دھیان نہ ہو حضرتِ مومن کو کہ جان
حسرتوں سے لبِ دلدارِ صنم دیتے ہیں

ناصح نادان یہ دانائی نہیں   دل کو سمجھاؤں میں سودائی نہیں
کس توقع پر اُمیدِ وصل اب   طاقتِ صبر و شکیبائی نہیں!
دعوئے حُسنِ جہاں سوز اس قدر   پھر کہو گے تم میں ہرجائی نہیں
دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر   یا یہ ہے وہ کچھ تماشائی نہیں!
گر نہیں ملتے ملوں گا اور سے   کیوں مجھے کیا پاسِ رسوائی نہیں!
ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں   عرضِ عاشق کی پذیرائی نہیں
دردِ دل تو سُن لے ظالم ایکبار   گو دوائے چارہ فرمائی نہیں
چاہتا قاتل کو ہوں روزِ جزا   چاہ کی اب تک سزا پائی نہیں

ترکِ مذہب کیوں کرو، مومن میں کیا
اُس صنم کو ادعائے یکتائی نہیں

کہے ہے پوچھ پیر ٹھنکے میرے گر سب لگے کر بس میں — نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں

اگر مشہور ہوا افسانہ اپنی بے بسی کا ! — برہمن کیا عجب یاں آئے ہیں بنارس میں

نہیں دم لینے کی طاقت فلک وے نہ بتا دیتے — کہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں

نہ میں پیارا نہ دل پیارا نہ تم میرے نہ جاں میری — اثر کس کس کی ہو ہو کے کبھی گر زیادہ بیکس میں

کہوں گر غیر سے مت مل تو کہتے ہیں طعن سے رشک کر — یہ کہو ل کس واسطے ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں

ذرا سمجھو تو جانِ من وصالِ غیر ہے ہر دم — مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

در بتخانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آ گئے اک بار کیا طبعِ مقدس میں

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں کیا حسن پہلو ہمیں — اضطرابِ دل غرض جینے نہ دیگا تو ہمیں

لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بیزاری بن جفا — تیری بدخوئی نے ظالم کر دیا بدخو ہمیں

دیکھتے ہی گل نظر میں تیرا سینہ پھر گیا — آتشِ گل نے لگائی آگ اے گلرو ہمیں

کیا اثر تھا اشکِ دشمن میں جو روتے یار سے — مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں

گیسو و خال و خطا بیاد دین و ایماں لے گئے — مل کے اک دو کا فریبِ نے کر دیا ہندو ہمیں

ہوش کیوں جاتے رہے اور دم ہوا کیوں منہ تلک — تجھ سے اے بادِ صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں

کیا بلا اُس زلفِ خوش خم کا تصور بندھ گیا — تمام بیچ دل رات آتی ہیں نظر بیسو ہمیں

باعثِ بیتابئ عالم نگاہ و یاس ہے — چشم جادوگر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں !

گر یہی شوقِ شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاوشِ کاوی کا فرِ دل جو ہمیں

ہو گئی گھر میں یہ خبر ہے منع وارِ جانا ہمیں — وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں

دمبدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
کیا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں

بے ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا!
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں

یار سمجھا دشمنِ جاں تھے مرے اے چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں

تو نہ جانے عشق بازی اور ہم ناداں ہوں
بے سمجھ کہتا ہے ناصح تو نے کیا سمجھا ہمیں!

یہ ستم کیا غیر پر کرتا وہ سچ پوچھو تو ہے
یاں کے ناز بجا ہے شکوۂ بے جا ہمیں

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آگیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں

دست بوسی پر کردیاں قتل اپنے ہاتھ سے
سچ تو کہتے ہیں قبول انصاف غیر دل کا ہمیں

اہلِ ماتم اپنے روتیں کس طرح منہ ڈھانک کے
مرتے مرتے پاس اُس پردہ نشیں کا تھا ہمیں

مومن ان کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزا دیکھیں!

کب تلک جیتیں یارب ہجر غیرت میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

ناصح اُن کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانبِ قضا دیکھیں

کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقین حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

چشم دا نے نابینا کر دیا حسد ای میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خوابِ وصل کیا دیکھیں

دیکھیے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائیگا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

کس نے اور کو دیکھا کس کی آنکھ نیچی ہے
دیکھنا ادھر آدھر نظر ملا دیکھیں

دم کا شقی سے تو یہ ستم نہ کرتا ہو
کیوں نہ نگاہ حسرت سے پھر رخ کو ہوا دیکھیں

نکلے آرزو اپنی مومن آہ تب جبکہ
صحنِ بتکدہ میں ہم خاک پہ پڑا دیکھیں

بزم میں اس کی بیانِ دردِ غم کیونکر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیونکر کریں

مجھ پہ بعدِ امتحاں بھی جور کم کیونکر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیونکر کریں

لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہائے احوالِ دلِ مضطر رقم کیونکر کریں

دیکھ لیوے عکسِ رخ تو کیا ہے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشمِ نم کیونکر کریں

اضطرابِ شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانبِ جلوت نظارہ دمبدم کیونکر کریں

دیکھ پیچ و تابِ سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلفِ خم بخم کیونکر کریں

سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومن ہیں دل نذرِ صنم کیونکر کریں

نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

اٹھا کے سوتے میں دے ٹیکا رات سر شاید
کہ زیرِ سر کے مرے سل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

درازدستی یہ کس بے ادب کی دمِ قتل
تمام دامنِ قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہاں ہے چاکِ گریباں تو واں یہ حالت ہے
قبائے شوخ شمائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہ بے حجابی مری گو نہیں کو حجاب اتنا تم
کہ روز پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کہے نہ ملنے کی اس سنگدل کی گر قاصد
تو سنگ سر اٹھی یاں دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

نہ کیونکہ رشک سے قرآں ہو کسی کا دامن پر
ہمیشہ ایک نئے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

غزل امام کی مومن نے کیا کہ رشک سے آج !
چمن میں سینۂ شداد اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

ہے جلوہ ریز نورِ تبسم گردِ راہ میں
آنکھیں بچھی تھیں فرش مری جلوہ گاہ میں

کیا وہم خاک تھے غیرت دو چشم ادائے وصل
ظالم کہاں دگرنہ اثر میری آہ میں !

جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا — وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں
ظالم وہ بیوفا ہے عدو حسن کے رشک سے — اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں
اس منہ پہ اس سے دعویٔ حسن اک ذرا نہیں — اے مہر روشنی بھرے روزِ سیاہ میں
شیریں پہ طعنِ تلخیٔ فرہاد کس لئے — مجھکو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا — جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز — کہدے اگر ہو شک سخنِ دادخواہ میں

مومن کو سچ ہے دولتِ دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گذرے ہے دن خانقاہ میں

کل نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خوابِ ناز میں — ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
اور ہی رنگ آج ہے عارضِ گلعذار میں — خونِ دل اپنا تھا مگر گونۂ دلنواز میں
خسروِ عیش وصلِ یار جا لگی اور کو سکیں — اچھا مگر تو خون ہوا عشق کے امتیاز میں
ہیں ترے بزمِ سور میں بھی یہ قباحتیں کہ — نغمۂ سور کا اثر نغمۂ نے نواز میں!
اُن سے اب التفات کی غیر کو بھی شکایتیں — سُن کے مر گیا لئے منّتِ احتراز میں
کیا ابھی سینے جل چکے کیا ابھی دل بگڑ چکے — بوئے کباب اب نہیں آہِ جگر گداز میں
رخنہ در سے غیر پاس دیکھا کسی کو آج ہے — رخنہ گری کچھ اور ہے نالۂ رخنہ ساز میں

یادِ بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر ہے شب نماز میں

جیب بہ عداوت لائقِ لطف و کرم نہیں — ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں — اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

سیدھا نہ کر دیا ہو مرے ذوقِ قتل نے ۔ قاتل کے آگے گردنِ اغیار خم نہیں

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقشِ پا نہیں ۔ وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

فریادِ نالہ ہائے عزا بار بے اثر تھیں ۔ آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں

جانا حرام ہجرِ بتاں میں تو کیا گناہ ۔ پیرِ مغاں شراب ہے شیشے میں سم نہیں

بے التفاتیاں جو عدو سے سنی نہ تھیں ۔ ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں

بے جرم پائمال عدو کو کیا گیا ۔ مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ہوں آب آب فرسی نگہ ہائے گرم گرم ۔ اس بہر دش کیا ہے آنکھوں میں نم نہیں

نام وصال لینے سے ہوتا ہے مضطرب ۔ کیونکر کہوں اُسے مرے مرنے کا غم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اُٹھا سکوں ۔ سچ ہے کہ مجھ میں طاقتِ جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہے شیوہ اگر بوالہوس نہیں ۔ آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

مومن سوئے حرم پہ لگا دئے فکر کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں

غنچہ ساں خاموش بیٹھے ہیں سخن کی فکر میں ۔ قافیہ کیا تنگ ہے وصفِ دہن کی فکر میں

دامنِ قاتل کو وقتِ قتل کیونکر چھوڑتے ۔ بیکسی ہے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

شوق مردن کو بھی سامانِ سفر درکار تھا ۔ سو ہے از خود رفتگی ترکِ وطن کی فکر میں

وہم عشقِ لالہ روئے داغِ دل کیا کیا کھلے ۔ جان کر گلچیں کو تاراجِ چمن کی فکر میں

سر سے شعلے اُٹھتے ہیں کس طرح ہو کوں کیا کروں ۔ جل گیا جی ضبطِ آہ شعلہ زن کی فکر میں

ہے گریباں گیر داں نازِ تغافل اب تلک ۔ جی جلایا باعثِ دیر آمدن کی فکر میں

دلِ شبِ بے درماں سر امنت کشِ مرہم نہیں ۔ داغ تو ہے چارۂ داغِ کہن کی فکر میں

گر یقینی واں دعا ہوتی ہے اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ بھی طفلِ برہمن کی نذر میں

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراقِ یار میں — کل سے سوا فرق آ گیا گردشِ روزگار میں
بس کہ جی آئے مر گئے ہم شبِ انتظار میں — دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں
ہو گئی کیا بلائے جاں بوسۂ زلف کی ہوس — پھرتے ہیں یاں کو ہم کام ددہانِ مار میں
پوچھا ہے اُس نے کیا مری بیخودی و قلق کا حال — ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں
خاک اڑائی گل نے یہ کس کے جنونِ عشق میں — اُڑ رہے ہے کچھ اڑی ہوئی باد صبا غبار میں
لاکھ شگفتگی سے بھی دل کی گرہ نہ کھل سکی — عقدہ ہو ہے ہر شکن طرۂ تابدار میں !
تھا قلق پر تھی دشمنِ جاں شبِ فراق — کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں

دھیان میں مومن آ گئے صحبتِ جبر و اختیار
قابوئے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

کون کہتا ہے دمِ عشق عدو بھرتی ہیں — کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں
شمع پر کچھ نہیں موقوف کہ سائے ظالم — پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں
حوضِ میخانہ پیئے سے بھی بھرا جی نہ بھرا — کیا تنک ظرف ہیں جو خم سی سبو بھرتے ہیں
کر چکے سلک دُرِ اشک کا مذکور کہ ہم ! — آج غمّازوں کے منہ دیکھیو تو بھرتے ہیں
اُس ستمگر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب — کیسے کچے گھڑے پانی لبِ جو بھرتے ہیں
حالتِ نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک — دل جو کچھ ٹھہر کے بیٹھے آہ نہ رو کر بھرتے ہیں
اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلا — موتیوں سے دہنِ زخمِ گلو بھرتے ہیں
غیر کرتے ہیں سبوئے مے گلگوں خالی ! — ساغرِ چشم میں ہم دل کا لہو کیا بھرتے ہیں

دی ہے حضرت مومن نے جنھیں معنی کو
آفتاب ہے کمیٔ ہنگام دعا خوب کرتے ہیں

الفت نہ ہو تو منع تماشائے دل کروں ! | میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں
ہو جان بھی جو مجھ کو تو مداوائے دل کروں | کب تک میں دل پہ ہاتھ دھر ہائے دل کروں
سو طرح کے فتنے ہیں سر پہ میرا اس کے گھر | دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں
جاں دیدہ دل ہے اس آفتِ جاں سے معاملہ | بس کب تک انتظارِ تقاضائے دل کروں
میں اور دہ کو چھوڑ کے کیا کس جائے ظلم ہے | اس پہ بھی گر شکایتِ بیجائے دل کروں
بس ہم پیر نہ گر دلوں سے پاؤں گھس گئے | کیا ذکر جوشِ حوصلہ فرسائے دل کروں
ڈھبا رہا ہے شوقِ سیہ کار زلف کو | اللہ کیا علاجِ سویدائے دل کروں
کہتے جو درد دل تو وہ کہتا ہے مجھ کو کیا | میں کیا طبیب ہوں کہ مداوائے دل کروں
کیونکر میرے دل اس سے کہیں قرضِ بیعت عاد | ناصح دیا نہ تھا کہ میں دعوائے دل کروں

اس محبت کو ترکِ دیں سے نہیں ہوتی اعتقاد
کیونکر نہ میں شکایتِ اغوائے دل کروں !

ہم ہیں جو کہ ہر کسی کو بے وفا کہنے کو ہیں | کھل گئی بے خودی کے منہ کسکو برا کہنے کو ہیں
نالہ بھی نکلا ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں | لب نہیں کہنے میں اب کیا جانے کیا کہنے کو ہیں
تیری تیغ دشمن کے کیوں لبِ تیغ چھالے پڑ گئے | گرم خوبی کام سے کیا ماجرا کہنے کو ہیں
دوستی کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ | کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں
جل گیا دل تو بھی اٹھتا ہے دھواں اس کا اب | مرثیہ ہم اس چراغِ کشتہ کا کہنے کو ہیں
دیکھنا کس حال میں کس حال کو پہنچا دیا | بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

شکوہ حرفِ تلخ کا یا شور بختی کا گلہ ! ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سب بے مزا کہنے کو ہیں

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

وہ نہیں آتے نہ آ دیں مر گئے ظالم تو تو آ یا لبِ شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

خیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ آرزوہائے دلِ رشک آشنا کہنے کو ہیں

تیغ غمزہ کو لگا دے جلد سنگِ سرمہ پر حرفِ مطلب آرزوئے جفا کہنے کو ہیں

ہو گئے نام بتاں سنتے ہی مومن بیقرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

وہ علی الرغم عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں ہے ستم لطف کہ پردے میں ستم کرتے ہیں

جب ترے کوچہ کا بیتابیِ دل سے پھرنا یاد آتا ہے زمیں بوس قدم کرتے ہیں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپشِ دل کہ ابھی سیرِ قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

اے اجل کاش الٹ جاتیں شبِ ہجر انہیں وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

محضرِ قتل پہ مکتوب گنہگاروں کا ! سرِ قاصد کو وہ نقطے سے قلم کرتے ہیں

دیکھنا اُس دہنِ تنگ کے بوسہ کا مزا کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں

ہائے قسمت کہ وہی مجھ پہ جفا اور فزوں ان دنوں غیر پہ گر لطف وہ کم کرتے ہیں

کشتۂ یار ہوا اس رشک سے مرتا ہے جہاں وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں

کیا ہی بیزار ہے اس نسبتِ بے جا سے ستم قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ اشکِ شادی ہی سہی گو چشم کو نم کرتے ہیں

جا کے کعبہ میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد !
جائے لبیک صدا ہائے صنم کرتے ہیں

صورت دکھائیے جو کبھو جا کے خواب میں | بے دید آنکھ کھول دے جھنجھلا کے خواب میں
شب جو وہ سوئے ہے مرے پاس آ کے خواب میں | جاگے تھے بخت خفتہ تمنا کے خواب میں
آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دی گر آئے | یوسف کسی کے محوِ تماشا کے خواب میں
وہ ہے بغل میں تو بھی یہاں نیند اُڑ گئی | یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں
سوتے ہے پائے ناقہ زبانِ درائے گر ! | طالع نہ ہوتے قیس کے لیلا کے خواب میں
ان نالہائے شب کا اثر صبح دیکھیو | آیا خلل گر اُس ستم آرا کے خواب میں
رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب مجھے نہیں | کیوں چونک چونک اٹھتے ہو گھبرا کے خواب میں
اُسکی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر | یاں پاؤں جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں
سو جاؤں روتے روتے تو کیا ہے [illegible] | کہتا ہے سوتے ہو مرے جن آ کے خواب میں

کیا کفر ہے کہ چھوڑ دے سونا ہے گر کبھی ! !
مومن نظر پڑے بتِ ترسا کے خواب میں

گر وہ ہو دستِ حنائی عکس افگن آب میں | ہو وے مرجانی جوں اچپارا آتش تن آب میں
بیکسی دیکھو وفورِ اشک عبرت سے ہوا | بعد مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں
بے حجابانہ یہ رویا کون مجلس میں کہ ہے | غرق جوں آئینہ وہ شوخ حیا فن آب میں
دستو مرتا ہوں اُس کے عرق آلودہ پہ | آتش الفت میری بہا تا بعد مردن آب میں
کون ڈوبا تنگ آکر غرقِ دریائے الم | کیوں سدا شورِ تموج سے ہے شیون آب میں
تشنہ کام آبِ تیغ یار ہوں گرمی تو دیکھ | پھر تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں
اشک چشم و گریۂ زخم دل اب میں کیا کروں | ہو گئی سب آستین خوں میں دامن آب میں
کشتۂ غیرت ترے پانی جو اُسے سمجھے غیر | مرتے دم پایا ہوں فوقِ خون دشمن آب میں

ڈوب مرتے کیوں نہ غیرت سے جب اے مومن نہائے
غیر کے ہمراہ وہ طفلِ برہمن آب میں

دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں — کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں
جو یار صلح پہ ہے اب تو آسماں نہیں — وہ مہرباں ہوا تو یہ مہرباں نہیں
نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے — یہ دیکھو کہ مجھے طاقتِ بیاں نہیں
یہ گل ہیں داغِ جگر کے انھیں سمجھ کے چھیڑ — یہ باغِ سینۂ عاشق ہے گلستاں نہیں
نہ چاہوں روزِ جزا داد یہ ستم دیکھو — کب آزماتے ہیں حجتِ امتحاں نہیں
نہ پوچھے حال تو جب تک مدعا بیاں کیونکر — مری زباں نہیں مگر تمہارے دہاں نہیں
شبِ فراق میں پہونچی نہ دل سے جاں تلک — کہیں اجل بھی تو مجھ سی ہی ناتواں نہیں
وہ حال پوچھے ہے میں چشمِ سرمگیں کو دیکھ — یہ چپ رہا ہوں کہ گویا مری زباں نہیں
نہ کیوں نثار ہو جاں فرقِ کیشِ جاناں پر — کہ اس کو میرے سوا اور کا دھیان نہیں

نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہ اے مومن
خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکاں نہیں

ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں — جاں دادۂ شوخِ بے وفا ہوں!
ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش — گویا کہ میں اُن کا مدعا ہوں
اُف کر گئی یاد گرم جوشی! — میں آتشِ مردہ سے جلا ہوں
کیا شکوہ جفائے آسماں کا — میں آپ کو دور کھینچتا ہوں
دشمن سے ہے چشمِ مہربانی — محرومِ نگاہِ آشنا ہوں!
کیوں کر نہ بگڑ کے وہ نکالے — میں دل کے غبار سے بنا ہوں

شکوہ نہیں غیر کے ستم کا　　انصاف کرو تو میں بھی کیا ہوں
کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ　　اعمال کی اپنی خود جزا ہوں
ہے طعن سے مدح شامِ ہجراں　　میں کیسی بلا کو چھیڑتا ہوں!
اُس کو میں، نہ چھوڑ جائے مجھ کو　　ہر چند عدو کا نقشِ پا ہوں!
خود بینی و بے خودی میں ہے فرق　　میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
بیزار ہے سوزِ عشق سے جی　　کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں
مجھ رمز شناس سے یہ باتیں　　کیا خوب ہیں غیر سے بُرا ہوں!
اے کاش عدو کو غیرت آوے　　میں منتظر اپنی موت کا ہوں!

اِس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں!

ہر دم ہیں کشمکش دستِ یار ہیں　　جلوں کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں
بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں　　ہر آن میں چھپانیں کلیجے کے پار ہیں
کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں　　جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں
عمرِ درازی ہے رقیبوں کو آرزو!　　دیکھو زمانِ ہجر کے امیدوار ہیں
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ اُن کو　　یہ داغ زخمِ دل کے مرے یادگار ہیں!
حسرت، سپہر بھی مرے دشمن تو اور بھی　　لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں
کیسا فلک کو اخترِ طالع جلا دیئے　　گویا عدو بھی میرے دمِ شعلہ بار ہیں
کیونکر نہ رحم حال پہ آئے شبِ وصال　　اندوہ و درد روزِ مصیبت کے یار ہیں
پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے　　اُٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں!

ناصح سے مجھکو کیوں نہ ہوں بد گمانیاں — دشمن ہیں جو مرے وہ تمہارے دوستدار ہیں
کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا — تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگِ جیفہ خوار ہیں!!

شبِ وصل اُسکے تغافل کی نہ سہنی تاب نہیں — تلخیِ مرگ ہے آنکھوں میں شکرِ خواب نہیں
حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا — اتنے دفتر ہیں کہیں فصل نہیں باب نہیں
سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوئے — تو گراں ہووے گی وہ جنس جو کمیاب نہیں
جب وہ بدمست اِدھر آیا عدو کے گھر سے — اپنی قسمت میں بجز دُرد مئے ناب نہیں
کلبۂ تار میں کیا ہجر ترے بن گزرے گی — دن کو یاں دھوپ نہیں رات کو مہتاب نہیں
محتسب ہم سے تو بیٹھا ملا دیکھ مجھے — نہ لنڈھا جانی لے مئے ناب ہے زہر آب نہیں
عشق کیوں دیجیے جاں شوق جو کیجیے شکوہ — دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں
گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بیجا — یاس حرماں کو مرے حاجتِ اسباب نہیں

کششِ ابروئے صنم کی سی کہاں اے مومن
لاکھ سجدے کرے دل مائلِ محراب نہیں

آہِ فلک گسن ترے غم سے کہاں نہیں — جو فتنہ خیز اب کے زمین آسماں نہیں
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے — صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں
اظہارِ دوستی کی خوشی کیا شبِ وصال — دشمن ہے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں
باتیں تری وہ ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں — جو کوئی رازداں ہے مرا رازداں نہیں
نومیدیٔ جواب ہے کیوں اتنے شوق پر — یہ کیا ہوا کہ منہ میں تمہارے دہاں نہیں

پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا — قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں!
کرتے وفا اُمیدِ وفا پر تمام عمر — پر کیا کریں کہ اُس کو سرِ امتحاں نہیں
اُس کو بھی جانتا ہوں فریبِ جمالِ غیر — تم کو عبث یقیں ہے کہ میں بدگماں نہیں
میں اپنی چشمِ شوق کو الزام خاک دوں — تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں
ٹھہری ہے پیرِ چرخ سے اپنا مقابلہ — طفلی سے محوِ حسرتِ بختِ جواں نہیں
لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شبِ فراق — ناصح ہی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں
اتنے شکستہ خاطر ہیں یہ اوضاعِ روزگار — دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں
ہر ذرّہ میری خاک کا برباد ہو چکا! — بس اے خرامِ ناز کہ تابِ تواں نہیں
نالے کیا اک دم کے نکل جانے کا ہے خوف — پر کیا علاج طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں
میں جانتا ہوں نعش پہ آنے کا مدعا — آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں

اُس بُت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

تاثیرِ صبر میں نہ اثر اضطراب میں — بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب میں
بے نالہ منہ سے چھوڑتے ہیں بے گریہ آنکھ کو — ایذائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ — ہنگامۂ بہار و ہجومِ سحاب میں
اے زہرہ چہرہ دشمنِ منحوس کو نہ دیکھ — نالے بہیں گے خون کے اس فتحیاب میں
فکرِ مآل سے ہے مدد شاہد رہے عزیز — پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں
تم نکلے بہرِ سیر تو نکلے گا مہر بھی! — ہووے گا اجتماع شبِ ماہتاب میں
ڈوبی ہجومِ اشک سے کشتی زمین کی!! — ماہی کو اضطراب ہوا جوشِ آب میں

کھولا جو دفترِ گلہ اپنا زیاں کیا! — گذری شبِ وصال ستم کے حساب میں
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو! — یوں کچھ نہ ہو امید ابھی انقلاب میں
قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم! — فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں

مومن یہ عالم اس صنمِ جانفزا کا ہے
دل لگ گیا جہانِ سراسر خراب میں

جلتا ہوں ہجرِ شاہد و یادِ شراب میں — شوقِ ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں
کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں — سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں
حسنِ جبیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا — کیسی کشودِ کار کشادِ نقاب میں!
ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند — اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں
رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام — آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں
بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے — اب عذر کیا رہا نگہِ بے حجاب میں
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا! — حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاب میں
گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو — آتش فشانہ زن ہوئی طوفانِ آب میں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں — پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں
بے اختیارِ یار میں سود و زیاں مگر — ناخوش تھے ہم جہاں کے قضا کی حساب میں
ناصح ہے عیب جوئے دلِ زار اس قدر — گویا لُٹا ہے سخنِ ناصواب میں
تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری — بگڑے وہ پرسشِ سببِ اجتناب میں
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں — بے بادہ مست ہوں میں شبِ ماہتاب میں
ہے منتوں کا وقت شکایت رہی سہی — آئے تو ہیں چنانچہ وہ پر عتاب میں

تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن	بد مست غیر محو دل اور بخت خواب میں

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

ہم بیداد ستم کچھ دل مضطر میں نہیں	یوں ہوں نالاں کہ نہ گویا صف محشر میں نہیں

خار بستر یہ شب ہجر بچھا دوں کیونکر	دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں

سر پٹکتا ہوں کہ بس ہم بھی نہیں گھر بھی نہ ہو	دھیان جس وقت یہ آتا ہے کہ وہ گھر میں نہیں

مجھ سے سرکش کی طرف محتسب کے عذاب	ہم نہ مانیں گے کہ انداز تری ٹھوکر میں نہیں

گئی اٹھے اور وہی رنج محبت کے عذاب	ہم نہ مانیں گے کہ انداز تری ٹھوکر میں نہیں

قطع امید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت	مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خنجر میں نہیں

دے دیا کیجئے بوسہ طلب اول پر	سچ کہا تم نے مزا حرف مکرر میں نہیں

کیا مؤثر ہو دعا وصل صنم کی مومن
ہم طلب کرتے ہیں وہ شے جو مقدر میں نہیں

ردیف الواو

مر مر گئیں آنکھ سے تم نامہ گلانے کیوں ہو	خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو	اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے	سر جیب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

بار گردن تو نہیں تیغ ستمگار آخر	جاں نثار و سر مشتاق جھکاتے کیوں ہو

جن سے منظور وفا ہے ہو جفا بھی ان پر	مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ صاف	آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

دلِ بیتاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں / اس قدر شوق تو دل سے جلاتے کیوں ہو
نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ ! / غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو
توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر / چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو
خیر ہے کس نے کہا شورِ قیامت تم کو / نالہ ہائے سحری دھوم مچاتے کیوں ہو
دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی / دیکھو سینے سے مرے پاؤں اٹھاتے کیوں ہو
کھل گیا عشقِ صنم طرزِ سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو / تو آبلے قیس کا ہر ایک چھالا چشمِ حیرت ہو
ہمارے قتل سے قاتل کے کیوں غیروں کو غیرت ہو / بنے ہم جوہر جوہرِ تیغ کا دستِ حسرت ہو
کسی کے ابروئے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا / جو میری خاک سے تعمیرِ محرابِ عبادت ہو
سمجھتا خوب ہوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ کو / قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ہو
ہوئے بیخواب آدھی نیم شب سے تو لگے کہنے / کہ سونے نہ دیا مجھ کو تم بھی کیا قیامت ہو
جلا جاتا ہوں سوزِ رشک سے ماتھے پہ پروانہ / جلا مت اور کہ تو گر جبہ میری شمعِ تربت ہو
عدو سے بزم میں ہوتی رہی چشمک تو کیا کیا / نہ دیکھا حال میرا تم بھی کتنے بے مروت ہو
بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

گئے مجھ سے بگڑ کے تم اللہ اکبر رات کو / ذبح کرتے ہی جو ہوتا پاس خنجر رات کو
اپنی آوازِ قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو / مڑ کے پیچھے دیکھ لیتا ہر قدم پر رات کو
ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستمگر رات کو / جاں بلب تھے بچ گئے قسمت سے کیونکر رات کو

یاں جو تو اے مہر وش تھا جلوہ گستر رات کو — چھٹ رہی تھی کیا ہوائی مہ کے اوپر رات کو

بوئے گل لائے نسیمِ صبح اب کس کو دماغ — ساتھ سویا ہی ہمارے وہ سمن بر رات کو

صبحدم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہے گر نہ تھا — بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو

بزمِ دشمن میں بیہودہ نغمہ گر آتی رہی — بر فغاں کیا تھا لبِ جانِ مضطر رات کو

روزِ ہجراں سے شبِ فرقت ہو کیوں سخت تر — گاہے گاہے دن کو ملتے تھے وہ اکثر رات کو

رشک سے جلتا ہوں روز اے شمعِ بام میں — دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو

رہ گئے ہم جھانکتے سے کبھی یہ کیا اندھیر ہے — بند کیوں کر دیتے تھے روزنِ در رات کو

کود کر گھر میں تو پہونچا میں ترے پر کیا کروں — دم نکل جاتا تھا کھٹکے کے برابر رات کو

کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آ گئی — میہماں تھا میرے گھر میں روزِ محشر رات کو

کیا اُسی بتخانہ کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرتِ مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو — ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

اُس بت کیلئے میں ہوسِ حور سے گذرا — اس عشقِ خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

اربابِ ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے — کم طالعیٔ عاشقِ جانباز تو دیکھو!

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ — بدنامیٔ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

محفل میں تم اغیار کو دز دیدہ نظر سے — منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

اُس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک — شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو!

دیں پاکیٔ دامن کی گواہی مرے آنسو — اُس یوسفِ بیدرد کا اعجاز تو دیکھو

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے — جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو

یہ قدرت ضعف میں بھی ہے فغاں کو — کہ دے ٹپکے زمیں پر آسماں کو!
دعا سکھلا رہے گا دل ہمارا — تمہاری خاطرِ نامہرباں کو
پڑی ہے اُس گلی میں لاشِ دشمن — اُٹھاؤں کیونکر اس بارِ گراں کو!
کہاں ہے تابِ نازِ برق اے کاش — جلا دے آتشِ گل آشیاں کو!
پسینے کی جگہ آنے لگا خوں! — چھپاؤں کس طرح زخمِ نہاں کو!
سمجھتا کیونکہ دیوانے کی باتیں — نہ پایا محرم اپنے رازداں کو
عدو کے گھر میں ہے تصویرِ شیریں — دکھاؤں کس طرح اس بدگماں کو
ہلا اخش تو کیا مر جائیں تو بھی — نہ کھولے طرۂ عنبر فشاں کو!
دیا اُس بدگماں کو طعنۂ غیر — غضب ہے کیا کہوں اپنی زباں کو!
دلِ مضطر کی بے تابی نے مارا — کہاں سے لاؤں اُس آرامِ جاں کو

سُن اے مومن یہ ایماں ہے ہمارا
نہ کہنا کفر پھر عشقِ بتاں کو!

ایسے سے کیا درستیِ پیماں لبستہ ہو — جو قول دے تو رنگِ حنا کا شکستہ ہو
دم ہی اُلٹ گیا جو سُنا ہے ترا مریض — کیا حضرتِ مسیح سے درماں خستہ ہو!
پروانہ وار گرمِ تپش ہیں قلق سے ہم — تم شوخیوں سے شعلۂ بےتاب جستہ ہو
کب جان دے ہے بسملِ ابرو نہ جب تلک — خنجر کا تیرے شاخِ غزالاں کا دستہ ہو
شاید کبھی وہ مہوشِ بدمست منہ لگائے — خاک اپنی کاش دُردِ تہِ خم نشستہ ہو!

مومن نہ توڑ رشتۂ زنّارِ برہمن!
مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر!
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں!
وہ ہر اک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو!

مجھے بیٹھے دیکھا جو روبرو تو اشاروں ہی سے گفتگو!!
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمہارے دل کو بری لگی!
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا!
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو!!

آئے ہو جب بڑھا کے دل کی جلن گئے ہو! جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو

دیوان مومن (مومن خاں مومن) ص ۱۰۲

روٹھے ہو روٹھے ہم سے منتے نہیں ہو کیونکر
غیروں سے جب لڑے ہو لڑ کر یہ ہی من گئے ہو

باقی نہیں کدورت شوق ستم کی ہرگز
کیا اے دل و جگر تم تیروں سے چھن گئے ہو

جاؤ تو جاؤ سوئے دشمن ہو تو فلک کیوں
اے گرم نالہائے آتش فگن کدھر گئے ہو

یاد بہار میں ہے کچھ اور عطر بیزی
تم آج گل میں شاید سوئے چمن گئے ہو

کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجیو تم!
اے ہمرہان غربت سوئے وطن گئے ہو

ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

پونچھنے سے ہمدمو دیدہ ہے کیونکر خشک ہو
سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو

اُف رے سوز نالہ و اللہ رے سیلاب اشک
اس سے تر روئے زمیں اُس سے سمندر خشک ہو

سوز دل اب یا جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

موج زن ہے لیک دریا ہائے جوش اشک سے
آستیں ہو جائے تر دامان تر گر خشک ہو

ابر بھی کھل جاتی ہے دریا بھی گر تھم جائے پھر
دیدۂ پُرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

روز محشر آ سکے اس تشنۂ دیدار کا!
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوض کوثر خشک ہو

گریہ خوانی کو قصد عالم بالا ہے پھر
کیوں نہ خون دھانوں کا آسماں پر خشک ہو

رونے کی جا ہے اگر ہو بعد مٹنے کو فراق!
ہے غضب گر نخل کوئی پھول پھل کر خشک ہو

شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگام جواب
خوف سے منہ اور زبان ہر سخنور خشک ہو

لے نام کو آ ہی گیا وہ فتنۂ ایام لو! !
ہم کو کہتے تھے بھلا اب تم تو دیکھو تھام لو

کیا قہر قیامت ہے کوئی وہ جام نسوی کو لیا
ہنس ہنس کے کہ میرے آگے تم دست جام لو

ڈرتے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس لطف سے — گر ہو سکے راہِ چمن لے بستگانِ دام لو

دلسی ادا سے بوسہ دو دلدار کب شادیِ مرگ ہو — ہے ردِ ستم کا مری جاں لطف و کرم سے کام لو

بختِ سیاہ لے شعر آخر لائے خاک میں — یک چند ملکِ ہند لو یا سرزمینِ شام لو

دل بات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک — ہیں کبھی ذرا آرام لو تم بھی ذرا آرام لو

پھر سوئے مقتل آئے وہ ہاتھ آگئے تو پھر نشاں — اے کشتگانِ شوقِ جاں مدفن سے خود دام لو

مومن تم اور عشقِ بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے

یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو!

یہ یاس و دلِ بے جاں نالۂ شب گیر تو کھینچو — کھچے گا اس کا دل آ و فسونِ تاثیر تو کھینچو

شفیعِ بیگناہی ہے نزاکت اس کلائی کی — بھلا خوں تو کرو گے پہلے تم شمشیر تو کھینچو

وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن — ذرا اے چارہ سازو زحمتِ تدبیر تو کھینچو

اثر ہو یا نہ ہو کب ہم کو دعا دارو لگا اے ناصح — خجالت سے ہمیشہ تم خجلتِ تقدیر تو کھینچو!

سرِ زور آزمائی جذبِ دل کو آج ہی دیکھو — کھنچے گا ہاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو!

محبت نامہ ہے آ تیرہ روزِ چشمِ جادو گی — دہاں بند ہو سرمہ کی اک تحریر تو کھینچو

دکھا دوں گا تماشا سبحہ چھیڑو مجھے مجنوں کو — ہلا دوں گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو

کہا اُس نوجواں کے نازکی طاقت تمہیں مومن

ابھی سے مشقِ نو ہو جور ریشِ پیر تو کھینچو

اعجازِ جاں وہی ہے ہمارے کلام کو — زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو — بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

آتا ہے بہرِ قتل وہ دور اے ہجومِ یاس — گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں ازدحام کو!

گو آپ نے جواب بُرا ہی دیا ولے — مجھ سے بیاں نہ کیجے عدو کے پیام کو

ہاں وصل ہے تلافیٔ ہجراں میں اے فلک — کیوں سہہ چکا ہے تازہ ستم انتقام کو

گریہ پہ میرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ — روتا ہوں اپنے میں دلِ جنت مقام کو

حسن شکن کے نادرست تری خو بگاڑ دی — ہم نے خراب آپ کیا اپنے کام کو!

اُس سے جلا کے غیر کو امید پختگی — لگ جائے آگ دل کے خیالاتِ خام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ — پھر کون وارثوں کے سُنے اذنِ عام کو!

شاید کہ دن پھرے ہیں کسی تیرہ روز کے — اب غیر اُس گلی میں نہیں پھرتے شام کو

مدت سے نام سُنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اُس شعرا کے امام کو

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو! — عذر کچھ چاہیے ستانے کو

سنگِ در سے ترے نکالی آگ — ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو

صبحِ عشرت ہے وہ نہ شامِ وصال — ہائے کیا ہو گیا زمانے کو!

بوالہوس روئے میرے گریہ پہ اب — مُنہ کہاں تجھ سے مسکرانے کو

برق کا آسمان پر ہے دماغ — پھونک کر میرے آشیانے کو

سنگِ سودا جنوں میں لیتے ہیں — اپنا ہم مقبرہ بنانے کو

شکوہ ہے غیر کی کدورت کا! — سو مرے خاک میں ملانے کو

روزِ محشر بھی ہوش گر آیا — جائیں گے ہم شراب خانے کو

حُسن کے وصف اُس پہ مر گیا ہمدم — خوب آیا تھا غم اُٹھانے کو!

کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں — آسماں کے ستم اُٹھانے کو!

چل کے کعبے میں سجدہ کر مومن ق چھوڑ اس بت کے آستانے کو

نقشِ پائے رقیب کی محراب

نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

صد حیف سینہ سوز فغاں کارگر نہو یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہو!

دیکھیں غمِ درونہ پہ کب تک نظر نہو میرا شگافِ سینہ ترا چاکِ در نہو!

اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہو ڈرتا ہوں میں نہ نزدِ دلِ بلا بیشتر نہو!

فریاد بے گناہ کشی جا بجا کروں! گردہم جاں نثاری پیغامبر نہو

معشوق وجہ سے زاہدِ مفلس کو یاس ہے قطع تعلقات کسی امید پر نہو

ایسے سے قدرِ مہر و وفا کی امید کیا جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہو

ہوتا نہاں خراب ستم سے زیادہ تر ایسا نہو کہ اب کبھی تیرے دل میں گھر نہو

عابد فریبِ شوخی و رغبت فزا نگاہ میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نہو

اے گردشِ زمانہ کبھی تو تغیر آ سکے حسرت مجھے قبول اگر اسقدر نہو

سودا ہے مجھکو گرمیِ بازارِ عشق کا اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہو!

پائے طلب شکستہ نہ کوتاہ دستِ شوق ہم بھی ستم کریں جو وہ نازک کمر نہو

حزن و ملال ہیچ دل آزردگی کا وہم! کیسی تری بنے جو گلہ بے اثر نہو!

ہیں آرزو سے مرگ کی بے التفاتیاں جینا مرا محال تو دشمن اگر نہو!

صحبت میں ایک رات کے وہ تنگ آ گئے طولِ امل سے قصہ مرا مختصر نہو!

ہیں جاں نثار کہیے تو مر جائیں ہم ابھی یہ کام بوالہوس سے کبھی عمر بھر نہو

پامال کیجیے شوق سے یہ بزمِ خاص ہیں اتنا تو ہو کہ خاک مری دربدر نہو!

سوتے سے اُٹھکر آتے ہیں یارب بیا تیغ   شرمندہ آہِ شب سے دعائے سحر نہ ہو
اب کیجیے آہ تاب گسل ہر جفا کیساتھ   جب جان سے گذر گئے پھر درگذر نہ ہو

مومن ہوا رقیب، حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو!

خالی ہوائے فتنہ سے گاہے جہاں نہ ہو   اُس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو
اعجاز سے زیادہ ہے سحر اُنکے ناز کا!   آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو
یہ تو بہت ہے دل کے خریدار ہیں وہ   جو ہے سو بد معاملہ کیونکر زیاں نہ ہو
تھمتا ہو اُس کی رہ تک دل کا ماجرا   آنسو رواں نہ ہو تو سیاہی رواں نہ ہو
شیخ حرم سے کام نہ پیرِ مغاں سے ربط   کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو
ترسا دیا ہے ابر بہاری نے اسقدر   بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو
اب تجھ کو وصل ہے نہ غمِ قربِ مدعی   پامال ہو چکا ہوں عبث سرگراں نہ ہو
گرتی نہ کیوں نگاہ کی باتیں [illegible] نئے   کیسی ہے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو
اس شرط پہ لیجیے تو حاضر ہے دل ابھی   رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو
یہ جانا پارہ پارہ ترے سینہ سے ہو گیا   صبحِ شبِ فراق ہے تو بدگماں نہ ہو

مومن بہشت و عشقِ حقیقی تمہیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غمِ جاوداں نہ ہو!

کہے ہے کون رکھو سر ہم زانو پہ رکھو   نہیں رکھتے تو خنجر ہی دلِ افگار پہ رکھو
مرے مرقد پہ کیا ہے کام شمع و گل کا احباب   یہاں تخم دانۂ دل بلبل کے اک دو چار پہ رکھو
بڑا ہے سر چڑھا ہیوفاؤں کا کہا مانو   تمنا مت کرو گل کی مگر خود دستار پہ رکھو

رلانا مجھ کو کب تک پوچھتے اغیار کے آنسو
کبھی دامن مرے بھی دیدۂ خونبار پر رکھو!

ذرا حسرت نکلنے دو خدا کے واسطے یارو
مرے لاشے کو اک دم آستانِ یار پر رکھو

چلا جاتا ہے بتکدے کو اے زاہد بھلے سے
گماں کچھ اور مت، تم مومنِ دیندار پر رکھو!

ردیف الہاء

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ
اے شبِ ہجر تیرا کالا منہ

آرزوئے نظارہ تھی، تو نے
اتنی ہی بات پر چھپایا منہ

دشمنوں سے بگڑ گئی تو بھی!!
دیکھتے ہی مجھے بنایا منہ

بات پوری کبھی منہ سے نکلی نہیں
آپ نے گالیوں پہ کھولا منہ

ہو گیا رازِ عشق بے پردہ!
اُس نے پردہ سے جو نکالا منہ

شبِ غم کا بیان کیا کیجئے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ

جب کہا یار نے دکھا صورت
ہنس کے بولا کہ دیکھو اپنا منہ

کس کو خونِ جگر پلائے گا
ساغرِ مے کو کیوں لگایا منہ

پھر گئی آنکھ مثلِ قبلہ نما
جس طرف اُس صنم نے پھیرا منہ

گھر میں بیٹھے تھے کچھ اُداس سے وہ ق
بولے بس دیکھتے ہی میرا منہ

ہم بھی غمگین سے ہیں آج کہیں
صبح اُٹھے تھے دیکھ تیرا منہ

سنگِ اسود نہیں ہے چشمِ بتاں!
بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

جو تیرے منہ سے ہو شرمسار آئینہ تو رُخ کرے سوئے آئینہ دار آئینہ
کہے ہے دیکھ کے رخسار یار آئینہ کہ اس صفائی پہ صدقے نثار آئینہ
سیاہ رو نہ کرے ترکِ الفتِ گلفام میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ
سمجھ لیا سحر اُس سبز رنگ کو طوطی کہ ہے نظارہ کا اُس کے امیدوار آئینہ
وہ سخت جاں ہوں کہ کھلا نہیں گر دمِ مردن تو توڑ دے مرے منہ پر سو بار آئینہ
مقابل اُس رُخِ روشن کے کھل گئی قلعی نہ ٹھہرا آگ پہ سیماب وار آئینہ
شکستِ رنگ جو مستی میں سوجھتے ہیں ہم بھی دکھاتے ہیں آنکھیں وقتِ خمار آئینہ
مجھے تو کہتے ہو مت دیکھو میری جانب تم اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
بلا ہے منع نہ تھا نور اُڑ گیا ناصح تو اپنے دیکھ تو رنگِ عذار آئینہ

مجھے تو مومن اگر ناروا ہے خود بینی
تو دیکھیں کاہے کو پر ہے سحر کار آئینہ

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں ہے اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں ہے
کچھ شورِ محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں ہے
اک آہ ہی کروں کہ ہو شاید اُسے تاثیر فرصت نہیں اب ہے نفسِ بازپسیں ہے
حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو مرتا ہوں الٰہی کہ گر ملے مدفن کو زمیں ہے
کیوں چھیڑتے ہو مجھکو بُرا ہو نہ لگا کیوں یہ عمر کا نامہ ہے مرا خطِ جبیں ہے
یا پردہ اُٹھا ورنہ کھلتا شوقِ نہانی اب مجھ سے تو چھپتا نہیں اے پردہ نشیں ہے
یاں کاہے کو وہ آنے لگا کشش دل تو لاکھ کھینچ آتا ہے یقیں ہے
بیدم سا پڑا تھا کوئی اس کو چھیڑا منہ تو دیکھا اسے ہوش تھا تک کیا جو کہیں ہے

اس رحسم کے حلقے میں گھبرا کے کہا ہاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

دل بستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

کب تک نباہیے بتِ ناآشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اس بے وفا کے ساتھ

یادِ ہوائے یار نے کیا کیا نہ گل کھلائے
آئی چمن سے نکہتِ گل جب صبا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خوابِ عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آوازِ پا کے ساتھ

یا رب وصالِ یار میں کیونکر ہو زندگی
نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کے ساتھ

اللہ رے سوزِ آتشِ غم بعدِ مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہلِ عزا کے ساتھ

ہر دم عرق عرق نگہِ بے حجاب ہے
کس نے نگاہِ گرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفسِ نارسا کے ساتھ

دستِ جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
اُلجھا ہے اُن سے شوخ کے بندِ قبا کے ساتھ

آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیا کیا ہجوم تھا دلِ حسرت فزا کے ساتھ

مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہِ دلکشا کے ساتھ

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ

بہرِ عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اُسے بیٹھا نہ دیکھتے
اُٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

وہ لالہ رو گیا نہ ہو گلگشتِ باغ کو — کچھ رنگ لائے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ

اُس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغِ خلد ہے — کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

آتی ہے بوئے داغ شبِ تارِ ہجر میں! — سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

تھی وعدے ہی پھر آنے کی خوش خبری — ہے اپنی زندگانی اُسی بیوفا کے ساتھ

اللہ ری گمرہی بت و بتخانہ چھوڑ کر!
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

تکلیف سے جوں پنجۂ گل لال ہوا ہاتھ — نازک ہے وہ بس چھوڑ دے اے رنگِ حنا ہاتھ

ہیں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا پیرو — چلتے ہیں جنوں میں مرے پاؤں سے سوا ہاتھ

ہے دست مری نبض کی تقلید سے بیٹھا — یہ معجزۂ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ!

ہنگامِ زدِ داغ آہ گلا کاٹ رہے تھے — کیا کھینچئے دامن کو تمھیں کام میں تھا ہاتھ

رکھا تو دلِ دشمن سے اب اُٹھ نہیں سکتا — قربان نزاکت کے ہیں کیا پاؤں ہے کیا ہاتھ

ہونے نہ دیا چاک گریبانِ کفن کو — یاروں نے کئے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

یہ دستِ بریدہ مرے قاصد کا نہ ہووے — ہے مہر کا خط ہاتھ سے شعاعی سی بھرا ہاتھ

جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا — اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ

بیٹھا کفِ افسوس ملے گا سپسِ کشتن — غیروں سے بھی ظالم ترے ساتھ اُٹھا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپشِ دل کے سبب سے
مومن مرے سینہ پہ ہے بعدِ فنا ہاتھ

ہم ہیں فلک نگہ کی بھی طاقت نچوڑ دیکھ — دستِ مژہ سے پنجۂ خور کو مروڑ دیکھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا — پھٹ جائے سینہ میرے گریباں سے جوڑ دیکھ

دورِ خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مستِ حسن شیشۂ دل کو توڑ دیکھ

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنہ کو!
میں غش نہیں ہوں لاش مری مت جھنجھوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہیئے
اے چشم اسکے سامنے تو ہاتھ جوڑ دیکھ

چلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا!
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو توڑ دیکھ

ردیف الیاء

منظورِ نظرِ غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے بھرا ہے

کھائی ہے قسم ہم نے کہ پرہیز کریں گے
گر درد سے بھر جائے طبیعت تو مزا ہے

جب گھر میں نہو تم تو رہیں کوچہ میں ہم کیوں
شکوہ جو تمہارا تو ہمارا بھی بجا ہے

بس بس نہ کرو بات کہ یاد آتے ہے مجھکو
ناصح سے جو کچھ بیخودیوں میں بھی سنا ہے

کس طرح نہ اس شوخ کے رونے پہ ہنسی آئے
نظروں میں مروت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے

اب شوق سے تم محفلِ اغیار میں بیٹھو
یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے

یارب کوئی معشوقۂ دلجو نہ ملے اب
جو انکی دعا ہے وہی اپنی بھی دعا ہے

توبہ گنہ عشق سے فرمائیے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دیکے گنہگار ہوا ہے

پرہیز سے اسکے گئی بیماری دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

تھا محو رخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں
معلوم ہے یاروں مجھے جو رنگ مرا ہے

چاہا اگر سے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ہمدم!
وہ سیر منا نیکو رقیبوں سے خفا ہے

میں ترکِ دنیا سے بھی وفادار ہوں مشہور　　کیں تجھ سے جو اے دشمنِ اربابِ وفا ہے

مومن نہ سہی بوسہ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اور دل کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی　　خبر ہے لاش پہ اس بے وفا کے آنے کی
ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک گوں ہو کر　　سکھائی طرز اُسے دامن اُٹھا کے آنے کی
تجھے کہے اور ہی کچھ مر چلا ہوں میں اے ناصح　　کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی
چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ　　تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی
نہ جانے کیوں دلِ مرغِ چمن کو سیکھ گئی　　بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی!
مشامِ غیر میں پہنچے چمن سے گل کا داغ　　یہ بے سبب نہیں خبری ہوا کے آنے کی
جو بے حجاب نہ ہو گے تو جان جائے گی　　کہ راہ دیکھی ہے اس کی حیا کے آنے کی
پھر ایک لاتے ہیں قربان جاؤں جذبۂ دل　　گئے ہیں لیا ہے سوگند کھا کے آنے کی
خیالِ لذت میں خودرفتگی نے قہر کیا　　امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی
کرو نہیں وعدہ خلافی کا شکوہ کس کس سے　　اجل بھی رہ گئی ظالم سنا کے آنے کی
مجھے جنازہ پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ　　کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو!
مرے تسلی کو ردِ جزا کے آنے کی

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آ جائے　　پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آ جائے
باندھو اب چارہ گرو جلد کہ دیکھی شاید　　وصلِ دشمن کی بھی سو سو شعر آ جائے
کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں مجھ کو ذلیل　　مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے

نام بدبختیِ عشاق خزاں ہے بلبل — تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے
جیتے جی غیر کو ہو آتشِ دوزخ کا عذاب — گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے
محوِ دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمنِ جاں — مجھ پہ جب ناصحِ بیدرد کو پیار آجائے
ٹھہر جا جوشِ تپش ہے تو تڑپنا لیکن — چارہ سازو نہیں ذرا دم دلِ زار آجائے

حسنِ انجام کو مومن مرے ایسے ہے خیال
لیجئے کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے — نقشِ پا پر نقشِ پا ظالم کفِ افسوس ہے
ہائے یادِ مرغ مجنوں کی جنوں افزائیاں — میرے سر پر سایۂ بالِ ہما منحوس ہے
کیا یہ مطلب ہے کہ برعکسِ وفا ہوگی جفا — جو تمہارے عہد نامہ میں خطِ معکوس ہے
بسکہ شامِ وصل آغازِ سحر پر مر گئے — سینہ کوبی اہلِ غم کی ہم صدائے کوس ہے
غیرتِ آمد شدِ دشمن سے ہم دونوں گئے — بن بلائے ہیں گے کیسے حال مشکل منکوس ہے
گرچہ شکرِ جفائے متصل سے دردِ سر — لیک کچھ کچھ التماسِ جانِ غم مانوس ہے
نزع میں جب کا نکلنا تیرا آنا ہو گیا — بسکہ مرتے مرتے دل میں حسرتِ پابوس ہے
شاعری اپنی ہوئی نیرنگیِ دانشوری — جو سخن ہے سو طلسمِ نازِ بطلیموس ہے

کر چکا ہوں دورِ اخلاصِ بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہدِ سالوس ہے

دیتے ہو تسکین مرے آزار سے — دوستی تم کو نہیں اغیار سے
کچھ نہ سوجھا حسرتِ دیدار سے — سہل چھوٹے گردنِ دشوار سے
چھوڑ حیلے بوالہوس ہر کو کہ اب — جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر ۔ بہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے

مال کیسا جاں بھی دیکر بوالہوس ۔ گر بنے تو دل چھڑا لوں یار سے

مت کرو گستاخی نہ یہ دزدِ حنا! ۔ دل چرائے طرۂ طرار سے

آہ دورِ چرخ کی کیا خاک اڑائے ۔ فتنہ برپا ہے تری رفتار سے

یوں کہے درد آیا اپنی جبیں کا ۔ حالِ دل گر پوچھیے دلدار سے

گر نصیحت گر ہیں سچ ہوں سادہ لوح ۔ تو ملے گی خوب اُس عیار سے

کیوں کاٹیں لب اطبا مر گیا ۔ حال پوچھا تھا ترے بیمار سے

وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر ۔ تو نے پوچھا ہوئے گا تکرار سے!

ہائے بختِ خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ ۔ دشمنوں کے طالعِ بیدار سے

مجھ سے وہ چھیڑیں پھیریں اسکے سوا ۔ اور حاصل عشق کے آزار سے

کہہ غزل اک اور بھی مومن کہ ہے
شوق اُس بت کو ترے اشعار سے

زہر ٹپکے ہے نگاہِ یار سے ۔ موت سوجھی نرگسِ بیمار سے

قتل ہو کر ہم بچے آزار سے ۔ عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

جا بجا نہریں ہیں جاری بہنے اشک ۔ پونچھیے ہوں گے دامنِ کہسار سے

گر نہ کھیلیں جان پر بھی یاد دیں! ۔ عشق بازی سیکھئے اغیار سے

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی! ۔ ہے گراں تر جان جسمِ زار سے

کر علاجِ جوشِ وحشت چارہ گر ۔ لادے اک جنگل مجھے بازار سے

ذکرِ مشک عنبر ہیں رنگینیاں ۔ بوئے خوں آئی تری گفتار سے

چھڑکے ہے کانِ ملاحت لون کیا   خود لپٹ جا سینۂ افگار سے

گر دعا کرتا ہوں مومن وصل کی

ہاتھ باندھے ہے وہ بُت زنار سے

ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے   یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جائے ہے   تھامتا ہوں پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

حالِ دل کیونکر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے   سر اُٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

جان کھا وصلِ عدو سچ ہی سہی پر کیا کریں   جب گلہ کرتا ہوں ہمدم وہ قسم کھا جائے ہے

رشکِ دشمن نے بنا دی جان پر ایسی ہوا   کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جائے ہے

حُسنِ روز افزوں یہ غیرت کس لئے اے ماہرو   یوں ہی گھٹتا جائیگا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے

پونچھے آنسو والدوں کو کیا کروں بہتا ہی   داغ میری خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

غیر کے ہمراہ وہ آتا ہے میں حیران ہوں   کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے

تاب و طاقت صبرِ راحت   ہائے کیا کہیے کہ دل کیا تھے کیا کیا جائے ہے

خاک میں مل جائے یا رب بیکسی کی آبرو   غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو   ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

دیکھیے انجام کیا ہو مومن صورت پرست

شیخ صنعاں کی طرح سوئے کلیسا جائے ہے

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی   رہ گئی بات بے قراری کی !

شکوۂ دشمنی کریں کس سے   واں شکایت ہے دوستداری کی

مبتلائے شبِ فراق ہوئے   منہ سے ہم تیرہ روزگاری کی !!

کیوں نہ ڈر جاؤں دیکھ کر وہ زلف — ہے شبِ ہجر کی سی تاریکی!!

یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی — بات اپنی امیدداری کی!

بسکہ ہے یار کی کمر کا خیال! — شعر کی سوجھتی ہے باریکی!

کر دے روزِ جزا شبِ دیجور — ظلمت اپنی سیاہ کاری کی!

تیرے ابرو کی یاد میں ہم نے — ناخنِ غم سے دلفگاری کی!!

کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومن
حاصل اُس بت سے شرمساری کی

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلسِ ماہی کے گُلِ شمعِ شبستاں ہوں گے

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے!
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے!

تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں
گر وہ ہوں گے تو بھی بے وقت پشیماں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

ہم نکالیں گے سن اے موجِ ہوا بل تیرا
اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

صبر یا رب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں!
چارہ فرما بھی کبھی قیدیٔ زنداں ہوں گے

منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اُٹھائیں گے کبھی!
زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہوں گے

تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شررِ آتشِ سوزاں ہوں گے

داغِ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ!
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

چاک پردے سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشین!
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہو گی! !
پھر وہی پاؤں، وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ!
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے کیا علَم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اسکو بھی رلا کے اٹھے

دل سے کیونکہ نہ دعا ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپِ غم سینہ جلا کے اٹھے

شمع کے چور کا محفل میں جو مذکور ہوا !
دل چرا بیٹھے تھے جب آنکھ چرا کے اٹھے

ہو عذابِ شبِ یلدا سے رہائی یارب
زلف منہ سے کہیں اس مہر لقا کے اٹھے

اف ری گرمی محبت کہ ترے سوختہ جان
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

ہیں دکھاتا نہیں تاثیر مگر ہاتھ مرے
ضعف کے ہاتھ سے کب تک دعا کے اٹھے

سوزشِ دل سے ہوا گیا ہی میں پانی پانی !
وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے

جی ہی مانندِ نشانِ کفِ پا بیٹھ گیا
پاؤں کیا کوچے سے اس ہوش ربا کے اٹھے

شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اسکے آگے
خواب احوالِ دلِ زار سنا کے اٹھے

منہ کو نہ سیا ناصح کی بخیہ گری اتنی !
یوں ہیں ابھی الجھے لیتے ہیں پردہ دری اتنی

دل لیکے وفا کیسی پر قول تو دینا تھا
اے سیمتن آفت ہے یہ صفت بری اتنی

بے پردہ بسِ چلمن یکبار تم آ بیٹھے
ہے تابِ نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی

لازم تھا حذر تجھ سے ناچیز کے نالوں سے
پر تجھکو کہاں غیرت اے بے اثری اتنی

لو چھیڑے ہے نکہت کو گلہائے سینہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی بادِ سحری اتنی

یہ کون کہے اس سے کی ترکِ وفا میں نے
کر تو ہی ذرا ناصح پیغام بری اتنی !

کھلتے ہیں مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بیخبری اتنی

سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدم بت پر
کعبے ہی میں ہوتی ہے بیہودہ سری اتنی

پھر وہ وحشت کے خیالات ہیں سر میں پھرتے
دشت یاد آتے ہیں آئے ہو ہیں نظر میں پھرتے

واہ اے طالعِ برگشتہ کہ وہ پھر ہی گیا
آنکر دیکھ مجھے راہ گذر میں پھرتے

پھرتے دن اپنے تو غیروں کی طرح راتوں کو
کیسے ہم کوچۂ بیتابِ قمر میں پھرتے

منتظر کس کے یہ رہتے ہیں کہ ہم ہر شب کو
تا سحر شام سے اٹھ اٹھ کے ہیں گھر میں پھرتے

قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو!
پوچھتے حال کہ برچھے سے ہیں بر میں پھرتے

ایک دم گردشِ ایام سے آرام نہیں!
گھر میں ہیں تو بھی ہیں دن رات سفر میں پھرتے

گر گئے تھے تو تسلی کو مری کہہ جاتے
کہ اب آتا ہوں وہ گو آٹھ پہر میں پھرتے

سرمگیں چشم کی گردش جو نہ بھا جاتی تو
خاک یوں کل بھیکو ہم ڈالتے سر میں پھرتے

جنبشِ نرگسِ جنت نے رلایا مومنؔ!
چشمِ کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اُس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے

پیغامبر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے

چھٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے

کیا یونہی جائے گی مری فریادِ سرزنش
واعظ کو روزِ حشر امیدِ نجات ہے

بدنامیوں کے ڈر سے عبث تم چلے کہیں
ہوں تیرہ روز میری سحر بھی تو رات ہے

لکھا جو اُس کو خط میں بلانوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خمِ گردوں دوات ہے

کیا مال ہیں کہ جان دیں دیتے ہیں دم تمہیں
اغیارِ بوالہوس کی یہی کائنات ہے

کیا ابتدائے حسن میں میں تجھ پہ مر گیا
خلقت کا تیری دن مرا روزِ وفات ہے

چھوٹی شراب اپنی تجھے مرتے دم تو اے
یہ آبِ تلخ شربتِ قند و نبات ہے

کیونکر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقدِ دل زرِ جاں کی زکات ہے

نہ دنیا بوستہ پا، گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ جتنا زمیں کے نیچے ہے اُتنا زمیں پر ہے

خرامِ ناز نے کس کے جہاں کو کر دیا برہم
زمیں گردی فلک کج ہے فلک گرتا زمیں پر ہے

ترے در ہی میں بھی کیا جا جگہ جان اُس پا جنا؟
کہ جبیں نے آسماں پر سو اُسے ٹیکا زمیں پر ہے

نویدِ قتل سے بھی ہو دلِ مضطر کو کیا تسکین!
کہ تدریم رقصِ مرغِ بسمل جا زمیں پر ہے

مری فریادِ دشمن کہتا ہے اسرافیل حیرت سے
قیامت آگئی کیونکر یہ غل کیسا زمیں پر ہے

وہ سر جو کل ترے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھی رہتا ہے پتھر پر کبھی رہتا زمیں پر ہے

فرشتو لیجیے اُس کو سے کیوں جنت میں تم مجھ کو
بھلا کیا ساکنانِ چرخ کا دعویٰ زمیں پر ہے

ہوا مُہرِ براتِ عفو نقشِ سجدہ مومن کو
قدم رکھتا فلک پر ہے کہ سر رکھتا زمیں پر ہے

مجھے یاد آ گئی بس وہ وہیں اُس کے قد و قامت کی
چمن میں دیکھ کر گل سرو میں نے کیا قیامت کی

بنایا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجیے یہ خوبی اپنی قسمت کی

ستم پیشہ ہے بد خو ہے ستمگر ہے جفا جو ہے
کروں کیا کیا شکایت دوستو اُس بے مروت کی

مبارک خفتگانِ خاک کو تصدیع بیداری
کہ گورِ تیرہ سے یاد آئی محکوراتِ فرقت کی

جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اُس نے
سزا ہے اے دلِ ناداں اس الفت اس محبت کی

مزہ خوابِ عدم کا بیستوں کو کاٹ کر پایا
ملی فرہادِ شیریں کام کو راحت یہ محنت کی

وہی مذہب ہے اپنا بھی جو قیس و کوہکن کا تھا
نئی راہ افترا ہے کب بھلا مومن نے بدعت کی

وہ گردوں دیکھ یہ حالت ہوئی تغیرِ شیشہ کی!
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیرِ شیشہ کی

مُدام اُس دلربا میکش کو مُنہ لگتا ہے اے ساقی
بنائی ہائے کیا اللہ نے تقدیرِ شیشہ کی

اثر اُس سنگدل کو کیا ہو عرضِ دلِ شکستن کا
شکایت ہے مری فریادِ بے تاثیرِ شیشہ کی

ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پُر آب دیوانہ!
بنا اشکِ مسلسل سے مری زنجیرِ شیشہ کی

بیاں کرتا ہے ہکلانے کا اُس بدمست کے عالم
وہ لے کیا سمجھے پیچیدہ ہے تقریرِ شیشہ کی

کرامت ہے رُخِ زرد آپ کے دل تفتہ کا ورنہ
کہیں بنتی سُنی ہے آجتک اکسیرِ شیشہ کی!

بھلا کیا اعتبار اے مومنؔ ایسی پارسائی کا
کہ بیخود ہو گئے تم دیکھ کر تصویرِ شیشہ کی!

کشتۂ حسرتِ دیدار ہیں یارب کس کے
نخلِ تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے

وہ چلے جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے
اسکو تھاموں کہ اُسے پاؤں پڑوں کس کس کے

پاؤں تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
جُڑ رہے شیشۂ دل سنگِ ستم سے پس کے

مجھ کو مارا مرے حالِ متغیر نے کہ ہے
کچھ گماں اور ہے دھڑکے سے دلِ مونس کے

کس پری رو سے ستمگر سے ملا دل افسوس
کس پہ دیوانہ ہوا ہوش گئے ہیں اس کے

نالۂ رشک نہ ہو باعثِ دردِ سرِ مرگ
غیر کے سر پہ لگاتا ہے وہ صندل گھس کے

لذتِ مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو تو نصیب نہیں کسی بے حس کے

یار مومنؔ سے بھی ہیں مدعیِ طبع رواں
واہ افکارِ تر انِ ادمغۂ یابس کے

مجھ پہ طوفاں اُٹھائے لوگوں نے
مُفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

بات اپنی وہاں نہ جمنے دی! اپنے نقشے جمائے لوگوں نے

سُن کے اُڑتی سی اپنی چاہت کی! دونوں کے ہوش اُڑائے لوگوں نے

اور بھی کچھ پڑھا دیا اُس کو!! دشمنوں کے پڑھائے لوگوں نے

بن کہے رازہائے پنہانی!! اُسے کیونکر سُنائے لوگوں نے

کیا تماشا ہے جو نہ دیکھے تھے! وہ تماشے دکھائے لوگوں نے

کر دیا مومن اُس صنم کو خفا!
کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

نہیں تقصیر اُس بُت کی کہ ہو میری خطا لگتی مسلمانو ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بیوفا لگتی

جو مر جاتا تو یہ دُکھ کاہے کو سہتا اگر آمین نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

وہ بھیرے گرمِ نظارہ کہاں تک زخمِ دل ٹانکوں کہ ہے ہر ہر نگہ کے ساتھ اک برچھی سی آ لگتی!

جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بجا لگتی

کیے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھ یاں آخر دیا دستِ عدو سے یاد میں تھی شبِ حنا لگتی

بلائے جاں ہوا دھیان اُس سیہ کاکل کی چوٹی کا نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی

کہیں سے ڈھونڈھ کر لانا بتِ کافر کو اے مومن
طبیعت سیرِ جنت میں نہیں اُس کے سوا لگتی!

سرمگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے

جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے آئینہ صد گلہ آئینہ گر کرتا ہے

گر تصور سے ہوں ہم بزم تو بیتاب ہے کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے

کس کے ہنسنے کا تصور ہے شبِ روز کہ یوں
گدگدی دل میں کوئی آٹھ پہر کرتا ہے

اک نمک اس سے تو لذت نہ اٹھی اے قاتل
زخمِ دل عرضِ نمکدانِ دگر کرتا ہے

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا رازِ نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو!
کہ شبِ غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

عدم آباد سے آنا مجھے یاد آئے ہے جب
کوئی حسرت زدہ دنیا سے سفر کرتا ہے

بختِ بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں میں آج
خندہ کچھ طرزِ دگر چاکِ جگر کرتا ہے

سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں
مومن اے اہلِ فن اظہارِ ہنر کرتا ہے

دیکھ گریاں مجھے وہ چشم کو تر کرتا ہے
اشکِ غماز بھی آنکھوں میں جو گھر کرتا ہے

ذکر کو سمجھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

نالۂ غیرتِ بلبل سے بھڑک اٹھے ہے آگ
گل مری قبر پہ کیا کارِ شرر کرتا ہے

سدِ راہ ایسی نہیں غیرتِ یادِ اغیار
کب خیال اپنا تمہارے دل میں گزر کرتا ہے

یہ تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیونکر
دیکھیے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے

تیری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترکِ آئینہ گری آئینہ گر کرتا ہے

کیا رلاتی ہے مجھے فکرِ خیالِ دشمن
وصل میں جب وہ ادھر منہ کیے نظر کرتا ہے

اشکِ شادی نے دمِ وصل جلایا کیسے
منعِ نظارہ مرا دیدۂ تر کرتا ہے

محوِ سجدہ ہے کسی بت کا تو مومن کہ نماز
پیچھے کعبہ سے منہ جانبِ در کرتا ہے

فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دل اُڑا آتا ہے
کہوں کیا دردِ پنہاں کی کلیجا منہ کو آتا ہے

سُنا اُس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بیفائدہ کیوں غل مچاتا ہے

پری لوٹے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حُسنِ عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

کبھی کی پھر گئیں آنکھیں فرشتے بھی نظر آئے
تمہارا مُنہ چھپانا دیکھئے کیا کیا دکھاتا ہے

میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھکو طعنہ بیوفائی کا
بگڑنا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے

نہ کرتی تھی نصیحت اُسکے بیٹھے پر قیامت کی
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنہ اٹھاتا ہے

خیالِ خوابِ راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

کیوں نہیں خوننابہ نوشی بادہ خواری آپکی
کس لئے ہے بیخودی غفلت شعاری آپکی

کیوں دمِ جانباز کی بدلی ہے ازخود رفتگی
کس لئے شوخی ہوئی ہے بیقراری آپ کی

آشنا سے ہو گئے بیگانگی جاتی رہی!
ہو گئی کس آشتی دشمن سے یاری آپکی

بوئے گل سے ہو مکدر کسکی بو آتی ہے یاد
خاک اُڑانے کیوں لگی بادِ بہاری آپ کی

تجکو حیراں دیکھکر حیران رہ جاتے ہو کیوں
ایسی محوِ یاس ہے امیدواری آپکی

جی جلا جاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لگئی تابوسے جاں بے اختیاری آپ کی

کیوں ہے رنگِ زرد پہ گلگونہ اشکِ سرخ کا
کس لئے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

ہائے کیا بیتاب ہوکر دھر لیا سینہ پہ ہاتھ
کُھل گئی مہوش کہے سرد نگاری آپ کی

سرمہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آتے ہے
بارے ہے ابتک تو باقی شرمساری آپکی

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں تھی یہ حال
بیقراری آہ وزاری اشکباری آپ کی

کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہو گئی مومن کی سی کیوں دینداری آپکی

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے　　کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے
رشکِ پیغام ہے عناں کشِ دل　　نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے
دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ　　غش تمہیں دیکھ کر نہ ہو جائے
ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں　　زندگی پردہ در نہ ہو جائے
کثرتِ سجدہ سے وہ نقشِ قدم　　کہیں پامالِ سر نہ ہو جائے
میرے تغیرِ رنگ کو مت دیکھ　　تجھکو اپنی نظر نہ ہو جائے
میرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو!　　کہیں داماں تر نہ ہو جائے
بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں!　　کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے
اے قیامت نہ آئیو جبتک　　وہ مری گور پر نہ ہو جائے
مانعِ ظلم ہے تغافلِ یار　　بختِ بد کو خبر نہ ہو جائے
غیر سے بے حجاب ملتے ہو　　شبِ عاشق سحر نہ ہو جائے
رشکِ دشمن کا فائدہ معلوم　　مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے
اے دل آہستہ آہِ تاب شکن　　دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

جہانسے شکل کو تیری ترس ترس گزرے　　جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گزرے
نئی ہے صورِ سرافیل آہ بے تاثیر　　کہ ہر سے دم پہ قیامت نفس نفس گزرے
نہ جاؤں کیونکہ سوئے دام آشیاں سے جب　　خیالِ حسرتِ مرغانِ ہم قفس گزرے
وفائے غیرتِ شکرِ جفا نے کام کیا　　کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گزرے

یہ محجان دعم نجبر ہے وہی انصاف — جو تیرے دھیان میں اے مرگ دادرس گزرے
چھوٹے کیوں تنِ کاہیدہ سے پسینا ہائے — طرف سے غیر کے جب نذرِ عطرِ خس گزرے

کہاں وہ ربطِ نہاں اب کہ اس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گزرے

نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی — نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی
جلا جگر تپِ غم سے بھڑکنے جان لگی — الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی
گلی میں اسکی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے — طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی
جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا اٹھا کیا ذکر — عبث یہ بات بری تجکو بدگمان لگی
ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل — کہ جسکی ذلت و خواری سے تمکو شان لگی
کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے — ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی
سنی ذرا اسکو بلاؤں گا روز وصل میں لو — اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی!

وہ کینہ ور تھا مومن تو دل لگایا کیوں!
کہو تو کیا تمھیں ایسی بھلی وہ آن لگی!

کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلاد بھرے — آہ جب دیکھ کے تجھسا ستم ایجاد بھرے
خون دل پیتے ہیں خو کردۂ محنت اے کاش — ساغرِ دہر میں ساقی مئے بیداد بھرے
تیشہ کچھ دشنۂ شیریں یہ نہیں اے غیرت — اپنے ہی خوں سے مگر دامنِ فرہاد بھرے
ہوں میں وہ صیدِ جگر خونِ اسیری مشتاق — جو بسِ ذبح کبھی ہر دم صیاد بھرے
پھر تو سرگوشیٔ دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو — گر نہ کان اسکے فغانِ گلہ ارشاد بھرے
دمبدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے — رنگ کیا مری تصویر میں بہزاد بھرے

مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
منہ دُرِ آبلہ سے گرمیٔ فریاد بھرے

کرتا ہے قتلِ عام وہ اغیار کیلئے — دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کیلئے
دیکھا عذاب رنج دلِ زار کے لئے — عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کیلئے
دل عشق تیرے نذر کیا جان کیونکر دوں — رکھا ہے اُسکو حسرتِ دیدار کیلئے
قتل اُس نے جرم صبر جفا پر کیا مجھے — یہ ہی سزا تھی ایسے گنہگار کے لیئے
لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب — تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیئے
آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے — تسکینِ اضطرابِ دلِ زار کے لیئے
چلا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم — طرزِ خرام شوخیٔ رفتار کے لیئے
جی میں ہے موتیوں کی لڑی اسکو بھیج دوں — اظہارِ حالِ چشم گہر بار کے لیئے
دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گلبرگ سے مثال — بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیئے

مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈھے ہے تارِ سبحہ زنار کے لیئے

کہاں تک دم بخود رہیئے نہ ہوں کیجئے نہ ہاں کیجئے
کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبطِ فغاں کیجئے
سوائے نکتۂ موہوم کیا وصفِ دہاں کیجئے
بنا کر بات کیا کیجئے جو کچھ ہو تو بیاں کیجئے!
عدو کے وہم سے تکتا ہوں بزمِ غیر میں ہر سو!
نہیں ہے اور کچھ یوں آپ جو چاہیں گماں کیجئے

غرض ہمسائے میں بھی اُس کا رہنا کیا قیامت ہے
کہ رشن لیتا ہے وہ گھر میں جو کچھ مذکوریاں کیجے

وہی ہجراں ہے غم کھانے یہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مر جائیے کچھ کھا کے عیشِ جاوداں کیجے

عدو اُس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آجاوے!
ملادے خاک میں یہ تو بھی شکرِ آسماں کیجے!

کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک!
تحمل در گذر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجے!

گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغِ رشک سے اپنا
عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحاں کیجے

عذابِ ایزدی جانکاہ ہے ہاں بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکرِ ستم ہائے بتاں کیجے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

حنا کے رشک سے کیونکر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ کبھی پامال تو ہے

نہیں ہے لگ گئیں تو آنکھیں تمہاری طرح نہیں
شریکِ قتل ہو گر دو نکو انفعال تو ہے

کہاں تلک گلہ ہائے تغافلِ قاتل!
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی
ہو آدمی حضرتِ عیسیٰ تک آسماں تو ہے

شبِ فراق میں کیسی زندگی یہ مرنا تھا
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

عبث ترقیٔ مضمون کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہوئیگا کیا اس سے بے مثال تو ہے

تسلّی دمِ واپسیں ہو چکی
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی

قلق کشتۂ سخت جانی ہے کچھ
اُمیدِ اجل آفریں ہو چکی

ملا اِس سیہ روز کو بزم میں!
شبِ عیش اے مہ جبیں ہو چکی

یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر
مرے خون سے تر آستیں ہو چکی

مری تعزیت میں نہ لا غیر کو
کہاں تک ستم پیشہ کیں ہو چکی

کہو مرگ سے ہاں نوازش کرے
کہ اُس سے زیادہ نہیں ہو چکی

وہ ہمدوش ہو گا بھی تو غیر سے
مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکی

اب اغیار سے ہاتھا پائی ہے کیوں
نزاکت بس اے نازنیں ہو چکی

خیالِ اجل سے تسلّی کر دل
یہ طاقت کبھی جانِ حزیں ہو چکی

ثوابت ہیں سیار مثلِ شرر
مری آہ کرسی نشیں ہو چکی

جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اُڑائے
کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی

کمیں میں ہے مومن وہ کافر صنم
بس اب پاسبانیِ دیں ہو چکی

در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

اک نظر دیکھے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے
بے حجب آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے

چشمِ خونبار مری آپ کے تلوؤں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگِ حنا ہوتا ہے

جاں بلب ہوں خبرِ وصل سُنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیمان ہوں میں جس سے کبھو
وہی کہتے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

داد ہے حشر تلک بہرِ دعا گو لبِ زخم
پر ترا حقِ نمک کوئی ادا ہوتا ہے

واقعی سجدۂ در ایسے ہی تقصیر ہے اب   جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے
اے دل آجانے نے اس زلفِ مسلسل کا خیال   جان کر کر دی گرفتارِ بلا ہوتا ہے
دل میں اتنا تو سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں   سروِ نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے
ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہمدم   بات کہنے میں مرا دم ہی ہوا ہوتا ہے

ہو نہ بیتابِ غمِ ہجرِ بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضلِ خدا ہوتا ہے

اجل جاں بلب تیرے شیون سے ہے   یہ نام مرے زود کشتن سے ہے
وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں   عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
یہ پردہ نہ ہو تپشِ زنبور کا !   مشبک مرا سینہ چلمن سے ہے
مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر   کہ بیزار وہ سیرِ گلشن سے ہے
جلانے سے بھی تیرے شاکر ہوں میں   گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے
مرا خون کیا بارِ گردن ہوا !   کہ بیتاب وہ دردِ گردن سے ہے
کھلائے نہ کیوں سحر گوسالہ کو   خجل سامری چشمِ پرفن سے ہے
جہاں خاک اڑائی وہیں دب گیا ہے   کدورت عبث فکرِ مدفن سے ہے
نئی کچھ نہیں اپنی جانبازیاں   یہی کھیل ہم کو لڑکپن سے ہے
بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں   عیاں صلح کچھ کس کی چتون سے ہے

دلِ مومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفلِ برہمن سے ہے

ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے   ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے

کیونکر نہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کرینگے

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مری قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کرینگے!

کیا نامہ میں لکھوں دلِ وابستہ احوال
معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کرینگے

بیمارِ اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰؑ
اچھا بھی کرینگے تو کچھ اچھا نہ کرینگے

جھنجھلاتے ہو کیا دیجیے اک بوسۂ دہن کا
ہو جائینگے لب بند تو غوغا نہ کرینگے

دیوار کے گرتے ہی اُٹھنے لگے طوفان
اب بیٹھ کے کونے میں بھی رویا نہ کرینگے

گر سامنے اُسکے بھی گرا اشک تو دل سے
کیوں روزِ جزا خون کا دعوا نہ کرینگے

کس وقت کیا مردمکِ چشم کا شکوہ
اے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کرینگے

ناصح کفِ افسوس نہ مل چل تجھے کیا کام
پامال کرینگے وہ مجھے یاد نہ کرینگے

اُس کو میں ٹھہرنے نہ دیا جوشِ قلق نے
اغیار سے ہم شکوہ بے جا نہ کرینگے

گر ذکرِ وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گر قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کرینگے

مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضمون!
کھل جائے کہ ترکِ درِ بتخانہ کرینگے!

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کرینگے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کرینگے

ٹھہری ہے کہ ٹھہرائینگے زنجیر سے دل کو
پر برہمیِ زلف کا سودا نہ کرینگے

اندیشۂ مژگاں ہوا گر خوں نے کیا جوش
نشتر سے علاجِ دلِ دیوانہ کریں گے

گر آرزوئے وصل نے بیمار کیا تو
پرہیز کرینگے یہ مداوا نہ کریں گے

تشبیہ نہ بس دیتے ہیں لبہائے بتاں کو
مر جائیں گے پر منتِ عیسیٰ نہ کرینگے

پھر جائے نہ تا چشمِ صنم آنکھ کے آگے
سیرِ چمنِ نرگسِ شہلا نہ کرینگے

رکھ لیں گے پھر نگراں سنگدلوں کو
چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کریں گے

گر حسنِ گلہ سوز نے پھر آگ لگائی!
کیوں آبِ دمِ تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوئے بتاں میں
پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے!

کہتے ہیں یہ ہم چاٹ کے خاک اسمیں ہو کے خاک
پراتنو زمیں بوس کلیسا نہ کریں گے

اے حضرتِ مومن یہ مسلّم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب فکرِ بتوں کا نہ کریں گے

لیکن جو بتوں نے ہی بھلا آپ سے کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے!

نہ کٹی ہم سے شبِ جدائی کی!
کتنی ہی طاقت آزمائی کی!!

رشکِ دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بیوفائی کی

کیوں برا کہتے ہو بھلا ناصح!
میں نے حضرت سے کیا برائی کی!

دامِ عاشق ہے دل دہی نہ ستم
دل کو چھینا تو دلربائی کی!!

آتے وہ دستِ غیر میں دیتے ہاتھ
آس ٹوٹی شکستہ پائی کی!

گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی

گھر تو اس ماہوش کا دور نہ تھا
لیک طالع نے نارسائی کی!

مر گئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی!

کوچۂ غیر میں ملا وہ ہمیں
ہرزہ تازی نے رہنمائی کی

دل ہوا خوں خیالِ ناخنِ یار
تو نے اچھی گرہ کشائی کی!

مومن آؤ تمہیں بھی دکھلا دوں
سیرِ بت خانہ میں خدائی کی

شب تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چُرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا
ہم جان سے عناں بہ عنانِ صدا گئے

مجلس میں اُس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے

اُٹھا نہ ضعف سے گلِ داغِ جنوں کا بوجھ
قاروں کی طرح ہم بھی زمیں میں سما گئے

غیروں سے ہو وہ پردہ نشیں کیوں نہ بےحجاب
دہائے بے اثر مرے پردہ اُٹھا گئے

تھی بدگمانی اب اُنھیں کیا عشقِ حور کی
جو آکے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

تابندہ جوان تو بختِ رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غمِ ہجراں کو بھا گئے

بیزارِ زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی ہماری لاش کو ٹھوکر لگا گئے

واعظ کے ذکرِ مہرِ قیامت کو کیا کہوں
عالم شبِ وصال کے آنکھوں میں چھا گئے

جس وقت اُس دیار سے اغیار بوالہوس ق
بدخوئیوں سے یار کے ہوکر خفا گئے

دنیا ہی سے گیا میں جو ہیں ناز سے کہا
اب بھی گمانِ بد نہ گئے تیرے پا گئے

اے مومنؔ آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آ گئے

از بسکہ جنوں جُدائی گل پیرہن سے ہے
دل چاک چاک نغمۂ مرغِ چمن سے ہے

سرگرم مدحِ غیر دمِ شعلہ زن سے ہے
دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے

روزِ جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہ ہم سخن رقیب کو اُس کم سخن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگیں دلی کا پاس
سب کاوشِ رقیب دلِ کوہکن سے ہے

میں کیا کہ مرگِ غیر پہ داماں تر نہ ہو!
وہ اشک ریزہ خندۂ چاکِ کفن سے ہے

کیونکر نجات عاشقِ ہجراں کو ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب و تابِ بدن سے ہے

خود رفتگی میں جبیں وہ پا یا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

رشکِ پری کہے سے عدو کے یہ وحشتیں
نفرت بلا کی مجھ کو دیوانہ پن سے ہے

کیا کیا جوابِ شکوہ میں باتیں بنا گیا
تو اب بھی دل درست اسی کاوشکن سے ہے

اپنا شریک بھی نہ گوارا کرے بتو
مومن کو عذر یہ کشش بد برہمن سے ہے

وہ کہاں ساتھ سُلاتے ہیں مجھے
خواب کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے

اُس پری وش سے لگاتے ہیں مجھے
لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے

یارب اُس کا بھی جنازہ اُٹھے
یار اُس کو سے اٹھاتے ہیں مجھے

ابروئے تیغ سے ایما ہے کہ آ
قتل کرنے کو بلاتے ہیں مجھے

بیوفائی کا عدو کی ہے گلہ
لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے

حیرتِ حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

کھینچ کے دے آتشِ دل داغ مری
اُس گلی یاد دلاتے ہیں مجھے

گر کہے غمزہ کسے قتل کروں!
تو اشارے سے بتاتے ہیں مجھے

شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ!
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جان کھوئی پر نہ گئی جور کشی
بعدِ مردن بھی دباتے ہیں مجھے

وہ جو کہتے ہیں مجھے آگ لگے
مژدۂ وصل سناتے ہیں مجھے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

مومن اور دیر، خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

جذبِ دل زور آزمانا چھوڑ دے — پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

بام سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں — کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

دل دکھلاتا ہوں شاید شرم سے — غیر اُس کو منہ دکھانا چھوڑ دے

دوشِ نازک پر کسی کے رحم کر — جوشِ افغاں غل مچانا چھوڑ دے

داغ سے میرے جہنم کو مثال! — تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے

پردہ کی کچھ حد بھی اے پردہ نشین — کھل کے مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے

ہوں وہ مجنوں گر ہیں زنداں میں رہوں — فصلِ گل گلشن میں آنا چھوڑ دے

لب پہ حرفِ آرزو کا خوں ہوا! — رنگِ پاں کا منہ لگانا چھوڑ دے

ہم نہیں اُٹھنے کے تیری بزم سے — پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے

اُس دہن کو غنچۂ دل کیا کہیں! — ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے

آہ میری کب دعا سے ذبح تھی — چشمِ تر طوفاں اُٹھانا چھوڑ دے

وصل میں بھی دل سے غم جائے کہاں — کیا کوئی اپنا ٹھکانا چھوڑ دے

گر ہے مومنؔ روزۂ وصلِ بتاں
تو غمِ فرقت بھی کھانا چھوڑ دے

پھر سینہ سوزِ داغِ غمِ شعلہ فام ہے — پھر گرمجوشیِ دل و سودائے خام ہے

پھر دل ہے داغ مطلعِ خورشید دیکھ کر — از بسکہ یادِ جلوۂ بالائے بام ہے

اُس آہوئے رمیدہ کو پھر ڈھونڈتا ہے دل — رہ کر وہ شوقِ وصل پھر اک کمندِ دام ہے

پھر آگیا ہے کون سے بیباک کا خیال — یہ کیا ہوا کہ رخصتِ ناموس فام ہے

جاں اپنی ہے پھر کہ وہ کشش بو نصیب — ہم ہیں وہ مست خانہ ہے اور در و بام ہے

جی جلتا ہے پوچھے کوئی کیا وہ مر گیا
پھر ایک بات کہنے میں قصہ تمام ہے

پھر تلخ کامیوں نے کیا جانِ دل سے کوچ
پھر آرزوئے بوسۂ لب پر مقام ہے

حلوون سے کس پری کا نظارہ ہوا نصیب
پھر اپنے نکلے جینے کی کیوں دل میں دھوم دھام ہے

پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو [illegible] ہے

پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہشِ پیامِ اجل کا پیام ہے

بس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر
اپنے کبھی چھپکے رہنے میں کچھ کچھ کلام ہے

پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال
پھر ناصحوں کو کیوں غصۂ انتقام ہے

پھر کیوں شکام ہوئے کہ اس کینہ پر کہا
سو بار مجھ کو [illegible] سے تمہیں مجھ سے کام ہے

کچھ کچھ صدائے پا سے دلِ مردہ جی اٹھا
پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے

پھر دوریٔ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے کبھی دین میں سونا حرام ہے

میں احوالِ دل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سنا کہتے کہتے

مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے
رکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے

زباں گنگ ہے عشق میں گوش کر ہے
برا سنتے سنتے بھلا کہتے کہتے

شبِ ہجر میں کیا ہجومِ بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

نگہ بہرہ گردی کا بیجا نہ تھا کچھ
وہ کیوں مسکرا دے بجا کہتے کہتے

صد افسوس جاتی رہی وصل کی شب
ذرا ٹھہر اے بے وفا کہتے کہتے

چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے
فسانۂ دلِ زار کا کہتے کہتے

برا ہو ترا محرمِ راز تو نے !
کیا ان کو رسوا برا کہتے کہتے

ستم ہائے گردوں مفصل نہ پوچھو کہ رہ پر پڑا یا ناصحا جبر کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہو گئی ہے سدا کہتے کہتے

مشورہ کیا کیجئے چرخِ پیر سے دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے

کس طرح مایوس ہوں تاثیر سے دم رکے ہے نالۂ شب گیر سے

میری وحشت کے لئے صحرائے قیس تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے

کیوں نہ ٹپکے آب جب ٹپکے لہو برق گرتی ہے تری شمشیر سے

وہ مٹا دے نامۂ مضمون وصل گر ہو خطِ کاتبِ تقدیر سے

یوں بنا کر حالِ دل کہنا نہ تھا بات بگڑی میری ہی تقریر سے

انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا نامہ ہائے شوق کی تحریر سے

قہر ہے پھرنا نگاہِ یار کا ! ! الاماں اس بازگشتی تیر سے

وحشتِ چشمِ پریزاد دیکھنا پھر گیا جی مرا تسخیر سے

لے گئی جاں یادِ رونق ہائے وصل گھر مرا ویرانہ ہو تعمیر سے

اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
مجکو تسکیں ہو تری تصویر سے

کیونکہ پوچھے حالِ تلخی عاشقِ دلگیر سے ہو گئے ہیں منہ بلب شیرینیٔ تقریر سے

کام چھٹتے ہیں جوانوں کے سپہرِ پیر سے لے گیا ہے پشتِ خم شاید تری شمشیر سے

دوستو! لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے سر کٹا دینگے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

صبحدم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں دن سیہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے

دم میخواری سے دل کو نشۂ رنگ آ گیا — ہوش جاتے ہیں تری بہکی ہوئی تقریر سے

دیکھا ضعف و جوشِ بیتابی سے میرا حال دیکھ — اشکِ خوں جاری ہیں چشمِ ہر جوان و پیر سے

لذتِ وحشت سے جلتا ہو کہیں گر نہ دل — ہیں مشابہ آپکی زلفیں بہت زنجیر سے

کاتبِ تقدیر الفت نہیں اے کاتبِ اعمال یاں — فائدہ حرفِ مکرر کی بھلا تحریر سے

ہوں سزاوارِ ستم میں نے کیا ہے جرمِ عشق — بوالہوس ہیں بیگنہ پھر کیوں رہیں تعذیر سے

اے فسونگر چشمِ جادو پہ نہیں چلتا عمل — دیکھنا بھی چھوٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں نیرنگِ عشق — تو بتو جلوہ ملا ہر رنگ کی تغییر سے

رشکِ دامانِ جواہر اور لکھی ہے غزل

جیب کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

جل گئے آخر یہ کس کی حسن کی تنویر سے — ہے حضور تیرہ شب کا مہرِ عالمگیر سے

[illegible] ہو جو سب ہم [illegible] کبھی تدبیر سے — میرے باتیں کیلئے [illegible] تیر سے

ہو گئی [illegible] حرف حرف نور تم — [illegible] یہاں میرے نامہ کی تحریر سے

کیوں تمہارا نیچے کے سر پھیرنے لگا — اب تو باندھو [illegible] اسکو بھی زنجیر سے

کیوں تجھ سے گرم دھوپ اب بادہ تر کرے — بدگماں ہے سبحہ سیارہ کی تسخیر سے

[illegible] ضبط کرتے کرتے میں تو مر گیا — ملک ہوا یا دم اس آہ ستم تاثیر سے

[illegible] ذکر ایکدم میں ہو گئی شامِ فراق — کیا اثر ہوتا ہے تم کو نالۂ شب گیر سے

کہتے ہیں [illegible] دار بعد قتل بھی — ہو گئی [illegible] نام آوری تشہیر سے

ان کو جلدی جائے کی مجھکو عتاب جاں کنی — وہ نور گلام تاک میں ہے موت کی تاخیر سے

میں نے سوچا آپ چھوڑیں تو حق کا جواب — نام اس کا سینے پہ لکھا ہے نوکِ تیر سے

مار ڈالا ہم کو جورِ گردشِ ایام نے — بڑھ گئی رات اپنی روزِ حشر کی تقصیر سے

مومن اب پڑھتا ہوں وہ مضمونِ مسلسل کی غزل
شوخیوں کو جس کے دعویٰ ہو رمِ نخچیر سے

ہے فسانہ ساتھ سوئے کب کسی تدبیر سے — نیند آتی ہے ہمارے خواب کی تعبیر سے

ہائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے — اُسکا دم بھی کم نہ تھا ہرگز دمِ شمشیر سے

بزمِ دشمن سے نہ اُٹھے وہ کسی تدبیر سے — مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

میرے لکھے کو [illegible] آپ نے اچھا ہوا — تھا شگون ہی مدعا یاں نامہ کی تحریر سے

جائے حسرت مرتے دم بھی خوں پلایا زخم نے — مُنہ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوکِ تیر سے

ایسے نازک کے شمائل کیوں دل میں نقش ہوں — کھنچ گیا سینہ پہ نقشہ غیر کی تصویر سے

اے جنوں اپنی اسیری بعدِ مردن بھی رہی — حلقۂ ماتم بنے ہیں حلقۂ زنجیر سے

کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے کا کوئی — اُنکو بیتابی ہے کیوں اس خوابِ بے تعبیر سے

تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے رہتا ہوں میں — سچ کہا جھوٹے ہیں ہوتی غیر کی تقریر سے

رہائے بوالہوس نے کھو دیا آزارِ شوق — تو ہم اچھے ہو گئے درمانِ بے تاثیر سے

ساتھ سونا غیر کے چھوڑا اب تو اے سیمیں بدن — خاک میری ہو گئی نایاب تر اکسیر سے

عشق اُس قاتل کا بعدِ قتل بھی ہم کو رہا — ہے یہ کیا جرم ہو جاتا نہیں تعزیر سے

سر پٹکتا ہے قلق میں مومنِ خانہ خراب
مسجد جب رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

[illegible] اُس بت کافر کا تو گھر ہے — [illegible] کہتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے

بیہوش ہے عاشق تھا یہ سمجھے نہ ستمگر — تم جسکو تو کہتے ہو کچھ اپنی بھی خبر ہے!

کھاتا ہوں محبت میں اس آب دانے میں گل
گویا شجر وادی ایمن کا ثمر ہے

خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دشمن، گر خود ہے وہ کیا دست نگر ہے

رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

ہم حال کہے جائیں گے سنیے کہ نہ سنیے
اتنا ہی تو یاں صحبت ناصح کا اثر ہے

وہ ذبح کرے اور یہاں جان فدا ہو
ایسے سے نبھے یوں یہ ہمارا ہی جگر ہے

اب بھی نہیں جاتی ترے آجانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانب در ہے

دل کھول کے مل لیجیے مومن صنموں سے
اس سال میں گو سوئے حرم عزم سفر ہے

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی !
ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی ! !

پردہ پوشی ضرور تھی اے چرخ
کیوں شب بوالہوس سیاہ نہ کی

تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر
کہ کبھی سیر عیدگاہ نہ کی ! !

اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ
جس نے تدبیر خسف ماہ نہ کی

کون ایسا کہ اس سے پوچھیے کیوں
پرسش حال داد خواہ نہ کی ! !

تھا بہت شوق وصل تو نے تو
کمی اے حسن تا بکاہ نہ کی ! !

عشق میں کام کچھ نہیں آتا
گر نہ کی حرص مال و جاہ نہ کی

طلب کم ظرف کو کہاں تم نے
دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

محتسب یہ ستم غریبوں پر
کبھی تنبیہ بادشاہ نہ کی !

گریہ و آہ بے اثر دونوں !
کس نے کشتی مری تباہ نہ کی

تھا مقدر میں اُس سے کم ملنا / کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی
دیکھ دشمن کو اُٹھ گیا بے دید / میرے احوال پر نگاہ نہ کی

مومن اس ذہنِ بے خطا پر حیف
فکرِ آمرزشِ گناہ نہ کی

بندھا خیالِ جناں بعد ترکِ یار مجھے / کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے
نہ آسمان کا رُخ پھیر دوں جدھر چاہوں / دیا ہے کیا طپشِ دل نے اختیار مجھے
وہ شامِ وعدہ جو آئے تو بیخود و سرمست / رہا وصال میں بھی وہی انتظار مجھے
نہ ہو وہ بات کہ جس سے دغا میں آئے خلل / کہیں نہ کیجیو ناصح سے شرمسار مجھے
بقدرِ جوشِ تڑپنے کو تھا دلے بسمل / وہ بے قرار ہوئے آگیا قرار مجھے
قرانِ انجمِ سیارہ صبح آبی میں !! / ڈبوئے گی مری چشمِ ستارہ بار مجھے
اگر عتابِ وفا امتحاں کے بعد نہ ہو / قبولِ عذرِ ستمہائے بے شمار مجھے
شبِ وصال میں سب قطرہ قطرے پی لی / رہا نہ وسوسۂ چارۂ خمار مجھے
رقیب کھاتے قسم تو وفا کا آئے یقین / تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے
نہ سیرِ گُل نہ قدح نوشی اُسکے ساتھ ہوئی / غمِ خزاں ہے نہ کچھ حسرتِ بہار مجھے
بسِ شکستنِ خم زجرِ محتسب معقول / گناہ گار نے سمجھا گناہ گار مجھے
لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بیدردی / نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے
نہ کام زور سے نکلا نہ عجز . کام آیا / بس اب تو چین دے اے شوقِ ہرزہ کار مجھے
خدا کرے ملک الموت اُن سے پہلے آئے / بہت ہی لینی ہیں جانیں پئے نثار مجھے
ہر آن آنِ دگر کا ہوا میں عاشقِ زار / وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

تو اب ترکِ صنم سچ سہی ولے مومن
یہ کیا غضب کہ ستاتے ہو بار بار مجھے

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لیے — سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کیلئے
نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کیلئے — عبث میں خاک ہوا میل آسماں کیلئے
خلافِ وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں — امید یک شبہ ہے پاس جاوداں کے لیے
نہیں نہ آپ تو ہم بوالہوس خیال کہیں — کہ سخت چاہیے دل ایذا رساں کیلئے
حجاب چرخ بلا ہے جو اک رہے بیتاب — فغاں اثر کے لیے اور اثر فغاں کے لیے
مزا یہ شکوہ میں آیا کہ بے مزہ ہیں وہ — ہیں تلخ کام رہا لذتِ زباں کے لیے
لیا ہے دل اسکے عوض جان لیجے رقیب تو دل — میاں در آپکی سوداگری زیاں کے لئے
وہ لعلِ روح فزا اے کہاں تلک مجھ سے — کہ بوسے کم ہے بیاں شوقِ جانفشاں کیلئے
ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا — دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لئے
کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ امن قفس — ہے ہم پہ برق بلا روز آشیاں کے لئے
جنونِ عشقِ ازل کیوں نہ خاک اڑائیں گے ہم — جہاں میں آئے ہیں ہم ویرانیِ جہاں کے لئے
بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے مجھے — ہمیں بھی دینی تھی جان اسکے امتحاں کیلئے

رواں نہ ہوا ہے سحرِ حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لیے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
موئے آغازِ الفت میں ہم افسوس — اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی
کبھی انصاف ہی دیکھا نہ دیدار — قیامت اکثر اس کو میں رہا کی

ننگ کے ہاتھ سے میں جا چھپوں گر خبر لا دے کوئی تحت الثریٰ کی
شبِ وصلِ عدو کیا کیا جلا ہوں حقیقت کھل گئی روزِ جزا کی
کشادِ دل پہ باندھی ہے کمر آج نہیں خیر آپ کے بندِ قبا کی
کیا جب التفات اُس نے ذرا سا پڑی ہم کو حصولِ مدّعا کی !
کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال کہے دیتی ہے بیباکی ادا کی
تمہیں شورِ فغاں سے میرے کیا کام خبر لو اپنی چشمِ سرمہ سا کی
دیا علم و ہنر حسرت کشی کو خدا نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا نہیں تقصیر اُس دیر آشنا کی
جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا کہ تو نے کس توقع پر وفا کی

کہا اُس بت سے مرتا ہوں تو مومنؔ
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

نہ ربط اُس سے نہ یاری آسماں سے جفا ہر عدو لاؤں کہاں سے !
یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے
قیامت مرتے دم آئی فغاں سے جہاں لیکر چلے ہیں ہم یہاں سے
شبِ وصل آپ کا عذرِ نزاکت بجا ہے پر نہ مجھ سے نیم جاں سے
بُرا ہے عشق کا انجام یارب بچانا فتنۂ آخر زماں سے
رہی شب کی سی بیتابی تو ہر روز چُرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے
مرا کہنا بُرا ہے آپ نے کیوں عیادت کی لبِ معجز بیاں سے
ملے دُشمن سے کیونکر یہ حجاب آپ نہ شرم آئی مرے شوقِ نہاں سے

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن　　اٹھانا مدعا ہے آستاں سے
وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب　　تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
گر اپنے وہم ہی سے اس نے پوچھا ق　　مرا احوال جیسے رازداں سے
نہ بولوں گا نہ بولوں گا کہ میں ہوں　　زیادہ بدگماں اس بدگماں سے
نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرتِ دل　　بہے سو بحر چشمِ خوں فشاں سے
نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد　　نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے
جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے　　بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے
برا انجام ہے آغازِ بد کا !　　جفا کی ہو گئی خوں امتحاں سے

خدا کی بے نیازی ہائے مومن
ہم ایماں لائے تھے نازِ بتاں سے

فردیات

قلق نے سخت گھبرایا نہ جب تابِ نبرد آیا !　　کہ جب پھیلا زمیں سے دامنِ گردوں کو چھو آیا

اس ستم کش نے یہ اپنے نصیبوں کا لکھا　　خط بھی لکھا تو سلام اس میں رقیبوں کا لکھا

چھوٹا کھلا تو زلفِ سیہ فام میں پھنسا　　چھوٹا تھا دل قفس سے سو پھر دام میں پھنسا

سوئے مجنوں کی جانب دیکھ کر رخ پھیریو　　محملِ لیلیٰ کہیں مت سنگِ طفلاں توڑنا

عذر ملتا تھا وہ عذرِ بد دماغی کے لئے　　دور سے دیکھا عدو کو ہاتھ مل کر رہ گیا

نہ کیوں کر دیکھ مجھکو رنگ بدلے اس پری رو کا　　یا پتنا اس نگاہوں کا الٹ جانا ہے جادو کا

وقتِ وداعِ یار عجب اپنا حال تھا　　کیا کرتے صبر کہ ٹھہرنا محال تھا !

بدایوں میں مجھے جوشِ جنوں لایا ہے دلی سے

یہ کیوں کر چارۂ پندِ خرد منداں بجا ہوش آیا

جانبازِ مومن اُس نے دیا غیر کو خطاب   ہم جان پر بھی کھیلے پہ نام اور کا ہوا

رحم کرنیکا نہیں مومن وہ کافر کیش پھر   فائدہ رونے سے یہ جو کچھ ہے حاصل توڑنا

تجھے بھی مومن کی خود داری پہ کیا کیا اعتماد

کیا خبر تھی یہ کہ یوں محوِ بتاں ہو جائے گا

تمہیں ملنا تھا دشمن سے تو ملتے   دلے یک چند تیرا سایا نہ ہوتا

ہائے محشر میں بگڑنا تو ہمیں حق آیا   کہ اُٹھے خاک سے جب وہ سرِ مدفن آیا

جان دی اور اس دفا پر امتحاں باقی رہا   حشر کی فریاد کا اُس کو گماں باقی رہا

ہے زمیں سب فتنہ خیز اُسکے خرامِ ناز سے   یہ قیامت کیسی آئی آسماں باقی رہا

محروم ہوا مومنِ ناکامِ محبت !   اے اہلِ محبت یہ ہے انجامِ محبت

درِ بتخانہ پہ کھڑا تھا آج   مومنِ دیندار کہیں باعث

نہ بھیج قاصد اے دلجو اور معتمد سا بھیج   ترے واسطے میں دل نکالے ہنگا بھیج

... کے پاس سنتے نہیں ہیں   زیادہ ہمیں ہوش سے بہانے ہے عشق

ملو تو دیوانہ ... مومن کا کہے اُس شخص کو   اس قدر وحشی مزاجی پر بھی اک عالم سے ربط

... وہ محبت کا مزا الفت نصیب   تجھ سے اے امیر مجھے کیا کوئی غم کھانیکا خط

بنیا کہ وہ رقیبوں سے تری دم ہیناک میں   مل جاؤں گا شب پہ اُسی کوچہ کی خاک میں

مضمونِ قتل اُنکے کیوں کیا عتاب میں   قاصد کی لاش آئی ہے خط کے جواب میں

ختم شد

مشورہ بکس

قیمت فی کتاب ایک روپیہ

شاعری

دیوان غالب — مرزا غالب
عمر خیام کی رباعیات — پروفیسر واقف
عمر خیام حصہ دوم — "
بانگ درا — علامہ اقبال
ضرب کلیم — "
دیوان داغ — داغ دہلوی
دیوان ذوق — ذوق دہلوی
بال جبریل — علامہ اقبال
کلام میر — میر تقی میر
کلام حالی — حالی
انتخاب نظیر — نظیر اکبر آبادی
کلام فانی — فانی بدایونی
دیوان ظفر — ظفر
ارمغان حجاز — اقبال
رباعیات حافظ شیرازی — مجذوب
انتخاب سودا — سودا
دیوان مومن — مومن
مسدس حالی — حالی
شکنتلا (منظوم) — منظر لکھنوی

ناول

غدار — کرشن چندر
ایک بچی ہزار آنسو — کرشن گوپال عابد
مسافر — "
[illegible] — "

میرے صنم — زلیخا حسین
آبلہ
[illegible] — نصرت چندر
بڑی دیدی — "
گنجور — نسیم انہونوی
گمراہ — مصطفیٰ ہاشمی
چندن ہار — عادل رشید
چندرا
اداس تنہائیاں : ٹھاکر پونچھی
دیوانے راستے : وحشی محمود آبادی
نشیمن — عابدہ [illegible] لکھنوی
جب پتھر روتے ہیں — ٹھاکر پونچھی
ایک شمع ہزار پروانے : مہندر ناتھ
[illegible] — ٹھاکر پونچھی
بربط کے تار — عادل رشید
خواب — عارف مارہروی

جاسوسی ناول!

ابوالہول کی روح : اکرم الہ آبادی
منحوس ستارہ — "
وادیٔ نور — "
فورٹ کرناک — "
[illegible] — "

افسانے

مسکرانے والیاں : کرشن چندر
کرشن چندر کے افسانے : "
منٹو کے افسانے : سعادت حسن منٹو
لکشمی : کرشن گوپال عابد
ناگن زلفیں — سعید عشرت
ہوائی قلعے — کرشن چندر
ٹھنڈا گوشت — سعادت حسن منٹو

ڈرامے

رومیو جولیٹ — شکسپیر
ہیملٹ [illegible] — "
مختلف مضامین [illegible]
[illegible] — سعادت حسن منٹو
خدا کو [illegible] کیا جاتا ہے : خواجہ احمد عباس
صحت و تندرستی : ڈاکٹر [illegible]
مکاتیب (خطوط) — غالب
[illegible] — نظمی صدیقی
بہشتی زیور : مولانا اشرف علی تھانوی
تعلیمات رسول — رضی بدایونی
حیات سرور کائنات
[illegible]
سیدہ کا لال : راشد الخیری

مشورہ بک ڈپو رام نگر، گاندھی نگر پوسٹ بکس ۱۶۳۹ دہلی ۶

دستکاری ڈاکٹری طبی و مختلف ہنروں کی

بے نظیر اردو کتابیں

مشہورہ بکڈپو کی بڑے سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ پر چھپی ہوئی کتابیں

دیسی انگریزی صابن بنانا	۵/۰
بن بجلی کا ریڈیو بنانا	۲/۷۵
اچار مربے چٹنی بنانا	۲/۰
خوشبودار تیل و عطر بنانا	۴/۵۰
آئینہ سازی (منہ دیکھنے کے شیشے بنانا)	۳/۷۵
خوشبودار دھوپ اگربتی بنانا	۲/۵۰
بیکری (کیک بسکٹ بنانا) کا فن	۳/۵۰
کٹائی سلائی سکھشا	۳/۵۰
نیو فیشن بک	۳/۰
موم بتیاں بنانا	۳/۵۰
سوڈا لیمن شربت بنانا	۳/۵۰
تمباکو اور اسکے مرکبات	۳/۲۵
بنگالی و انگریزی مٹھائیاں بنانا	۳/۵۰
روشنائی سازی	۲/۷۵
کشیدہ سازی	۳/۵۰
لانڈری ڈرائی کلیننگ	۴/۰
رہنمائے شاعری و افسانہ نویسی	۳/۰
گھڑی سازی	۲/۷۵
تاش کے عجیب و غریب کھیل	۵/۰
کپڑے چھاپنے و رنگنے کا ہنر	۴/۵۰
رنگ برنگی آتشبازی	۳/۲۵
راز روزگار	۵/۰
بلاک بنانے کا کام	۳/۰
مصوری و سائن بورڈ پینٹنگ	۲/۵۰
پان کے خوش ذائقہ مصالحے بنانا	۳/
بوٹ پالش بنانا	۳/۲۵
گورے اور خوبصورت بننے کا راز	۳/۵۰
چمڑے کا کام	۳/۰
باورچی خانہ	۵/۰
رنگ دار نقش	۴/۵۰

ہر آرڈر کا محصول ڈاک الگ ہوگا

مشہورہ بک ڈپو رام نگر گاندھی نگر پوسٹ بکس ۱۶۳۱ دہلی ۶

دستکاری ڈاکٹری طبی مختلف ہنروں کی

بے نظیر اردو کتابیں

مشورہ بکڈپو کی بڑے سائز $\frac{20\times30}{16}$ پر چھپی ہوئی کتابیں

انگریزی ہندی بولنا سکھانے والی کتابیں

اردو سے انگریزی خط و کتابت	4/-
اردو انگریزی گرامر	4/-
فاسٹ انگلش بولنا سیکھو	4/-
اردو انگلش ٹیچر	7/-
سات روپیہ میں میٹرک پاس	12/-
اردو ہندی ٹیچر	

ایلوپیتھک ڈاکٹری کتب (اردو میں)

ایلوپیتھک پریکٹس آف میڈیسن	6/50
ایلوپیتھک میٹریا میڈیکا	7/50
ایلوپیتھک انجکشن بک	6/75
ایلوپیتھک کمپونڈر گائیڈ	7/50
آئی ڈاکٹر	4/-
[illegible]	3/25
ایلوپیتھک مائنر سرجری	6/-

ایلوپیتھک میڈیکل ڈکشنری	4/50
دندان سازی	5/-
پیٹنٹ ادویات	4/-
سلفا ڈرگز	3/25
وٹامن گائیڈ	4/-
اسٹیتھسکوپ گائیڈ	4/25
پینسلین گائیڈ	4/25
بخار و تھرما میٹر	2/25
ایلوپیتھک لیڈی ڈاکٹر	5/75

علم موسیقی کی کتابیں

ہارمونیم گائیڈ	4/-
بینجو عرف جاپانی باجا بجانا سیکھنا	4/-
بانسری گائیڈ	3/-
وائلن گائیڈ	3/-

(ہر آرڈر کا محصول ڈاک الگ ہوگا)

ٹھکانہ کا پتہ: مشورہ بکڈپو، رام نگر، گاندھی نگر، پوسٹ بکس 1639 دہلی



حضرت مومن نے صنفِ غزل کو رتبۂ کمال بخش کر ایسی جدت طرازیاں کیں کہ اہلِ زبان و ادب کے ساتھ ہی حاسدین کے منہ سے بھی کلمۂ تحسین آفرین نکل گیا۔

حضرت مومن اُردو غزل گوئی کے شہنشاہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور غزل گوئی کے اسی شہنشاہ کا نادر کلام پاکٹ بک کی شکل میں آپکے ہاتھوں تک پہنچا کر مشورہ بک ڈپو نے ایک اہم ترین فرض ادا کیا ہے۔

قیمت فی کتاب 1/-